امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

نقیب

ہفتہ وار

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، یادوں کے چراغ
■ کتابوں کی دنیا
■ مسلم سلاطین کی فتوحات میں......
■ میدان جنگ میں محسن انسانیت کی......
■ بے دینی کے سیلاب میں ہم کیا کریں
■ اصلاح معاشرہ اور طریقہ کار
■ جریدہ امارت پر مقدمہ بغاوت......
■ اخبار جہاں، ہفتہ رفتہ، طب وصحت

جلد نمبر 62/72 | مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۲۰۲۲ء روز سوموار | شمارہ نمبر 39

رواداری: بقائے باہم کے لئے ضروری

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

جس ملک میں مختلف مذاہب، تہذیب وثقافت اور کلچر کے لوگ بستے ہوں، وہاں دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے درمیان بقاء باہم کے اصول کے تحت ایک دوسرے کا اکرام واحترام ضروری ہے، مسلمان اس رواداری میں کہاں تک جاسکتا ہے اور کس قدر اسے برت سکتا ہے، یہ وہ سوال ہے جو ملک میں عدم رواداری کے بڑھتے ماحول میں لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے، اس سوال کے جواب سے ناواقفیت کی بنیاد پر سوشل میڈیا، ٹی وی اور دوسرے ذرائع ابلاغ پر غیر ضروری بحثیں سامعین، ناظرین اور قارئین کے ذہن ودماغ کو زہر آلود کرنے کا کام کر رہی ہیں، اس آلودگی سے محفوظ رکھنے کی یہی صورت ہے کہ رواداری کے بارے میں واضح اور صاف موقف کا علم لوگوں کو ہو اور غیر ضروری باتوں سے ذہن ودماغ صاف رہے۔

اسلام میں رواداری کا جو مفہوم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، خندہ پیشانی سے ملا جائے، ان کے انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے، وہ ضرورت مند ہوں تو ان کی مالی مدد بھی کی جائے اور صدقات نافلہ اور عطیات کی رقومات سے ان کی ضرورتوں کی تکمیل کی جائے، کسی کو حقیر سمجھنا اور حقارت کی نظر سے دیکھنا اکرام انسانیت کے خلاف ہے، اس لیے معاملہ تحقیر کا نہ کیا جائے اور نہ کسی غیر مذہب کا مذاق اڑایا جائے، یہ احتیاط مردوں کے سلسلے میں بھی مطلوب ہے، اور عورتوں کے سلسلے میں بھی، تاکہ یہ آپسی مذاق جنگ وجدال کا پیش خیمہ نہ بن جائے، معاملات کی صفائی بھی ہر کس وناکس کے ساتھ رکھا جائے، دھوکہ دینا، ہر حال میں ہر کسی کے ساتھ قابل مذمت ہے اور اسے اسلام نے پسند نہیں کیا ہے، البتہ حالت جنگ میں اس قسم کے حرکات کی اجازت ہے، جس سے فریق مخالف دھوکہ کھا جائے، دھوکہ دینا اور چیز ہے اور کسی عمل کے نتیجے میں دھوکا کھانا بالکل دوسری چیز۔

اسی لیے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو دھوکہ دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے، ایسے تمام قوانین کا پاس ولحاظ بھی ضروری ہے، جو شریعت کے بنیادی احکام ومعتقدات سے متصادم نہیں ہیں، اگر کسی قسم کا معاہدہ کیا گیا ہے، زبانی یا تحریری وعدہ کیا گیا ہے تو اس کا خیال رکھنا چاہیے، کیونکہ ہمیں معاہدوں کا پاس ولحاظ رکھنے کو کہا گیا ہے، جن شرائط پر صلح ہوئی ہے، اس سے مُکر جانا انتہائی قسم کی بد دیانتی ہے، اسی طرح رواداری کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ان تمام حرکات وسکنات سے گریز کیا جائے، جس سے نفرت کا ماحول قائم ہوتا ہے اور قتل وغارت گری کو فروغ ملتا ہے، اس ضمن میں تقریر وتحریر سبھی کچھ شامل ہے، کوئی ایسی بات نہیں کہی جائے جس سے فرقہ پرستی کی آگ بھڑکے اور کوئی ایسا کام نہ کیا جائے، جو فتنہ وفساد کا پیش خیمہ ثابت ہو، غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے آپسی میل جول کو بڑھایا جائے اور اپنے پروگراموں میں تقریبات میں دوسرے مذاہب والوں کو بھی مدعو کیا جائے، تاکہ میڈیا کے ذریعہ پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے، افواہوں پر کان نہ دھرا جائے، اور خواہ مخواہ کی بدگمانی دلوں میں نہ پالی جائے، جلسے جلوس میں بھی نفرت انگیز نعروں سے ہر ممکن بچا جائے، اشتعال انگیزی نہ کی جائے، دوکانوں میں توڑ پھوڑ، گاڑیوں کو جلانا وغیرہ بھی امن عامہ کے لیے خطرہ ہے، اس لیے ایسی نوبت نہ آنے دی جائے، اور ہر ممکن اس سے بچا جائے، دیکھا یہ جارہا ہے کہ جلوس میں دوسرے مذاہب کے لوگ گھس جاتے ہیں، مسلمان اپنی وضع قطع چھوڑ چکا ہے، اس لیے پتہ نہیں چلتا کہ جلوس میں شریک لوگوں میں کتنے فی صد مسلمان ہیں اور کتنے دوسرے، پھر یہ دوسرے لوگ جو اسی کام کے لیے جلوس میں گھس جاتے ہیں، امن وامان کو تباہ کرنے والی حرکتیں کر کے جلوس سے نکل جاتے ہیں، بدنام بھی مسلمان ہوتا ہے اور نقصان بھی مسلمانوں کا ہوتا ہے۔

رواداری کے باب میں سب سے اہم یہ بات ہے کہ دوسرے مذاہب کے پیشوا اور معبودوں تک کو برا بھلا نہ کہا جائے، کیوں کہ سب سے زیادہ اشتعال اسی عمل سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا الٹا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اللہ ورسول کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں گویا ہمارا عمل اللہ ورسول کی توہین کا باعث بنتا ہے، کسی کو بتانا اور سمجھانا بھی ہو تو نرم رویہ اختیار کیا جائے، جارحانہ انداز سے بچا جائے اور حکمت سے کام لیا جائے، حکمت مؤمن کی گم شدہ پونجی ہے، جہاں بھی ملے اسے قبول کر لینا چاہیے، لے لینا چاہیے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے وقت کے سب سے بُرے انسان کے پاس اپنے وقت کے سب سے اچھے انسان حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بھیجا تو نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا۔

لیکن اس رواداری کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ ایسے نعرے لگائے جائیں جو کسی خاص مذہب کے لیے مخصوص ہیں، اور ان کے شعار کے طور پر وہ نعرے لگائے جاتے ہیں، چاہے لغوی طور پر اس کے معنی کچھ بھی ہوں، عرف اور اصطلاح میں اس کا استعمال مشرکانہ اعمال کے طور پر کیا جاتا ہے، تو اس سے ہر حال میں گریز کرنا چاہیے، جے شری رام، بھارت ماتا کی جے اور بندے ماترم جیسے الفاظ دیش بھگتی کے مظہر نہیں، ایک خاص مذہب کے لوگوں کے طریقۂ عبادت کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو ایسے الفاظ کی ادائیگی سے احتراز کرنا چاہیے، کیوں کہ ان الفاظ کا استعمال رواداری نہیں، مذہب کے ساتھ مذاق ہے۔ بعض سادہ لوح مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ کہنے سے ایمان واسلام پر کوئی فرق نہیں پڑتا وہ غلط فہمی میں ہیں، کیوں کہ مسلمان کا قول وفعل جیسے ہی اسلامی معتقدات کے خلاف ہوتا ہے، ایمان واسلام کی عمارت دھڑام سے زمین بوس ہو جاتی ہے، یہ بہت نازک اور حساس معاملہ ہے، اتنا حساس کہ مذاق کے طور پر بھی کلمات کفر کی ادائیگی ناقابل قبول ہوتی ہے، اس مسئلہ کو جبریہ کلمۂ کفر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ جبر کی شکل میں دل ایمان پر مطمئن ہوتا ہے، الفاظ صرف زبان سے ادا ہوتے ہیں، لیکن برضا ورغبت کی شکل میں یا تو وہ دین کو مذاق بنا رہا ہے، یا واقعتاً وہ ایسا کر رہا ہے، دین کا مذاق اڑانا یا کلمۂ کفر پر راضی ہونا دونوں ایمان کے لیے مضر ہے اور دار وگیر کا سبب بھی۔

بین السطور

رواداری کئے نام پر اکبر نے دین الٰہی کو رواج دیا گو یہ دین ترقی نہیں کرسکا، خود اکبر کے نورتنوں میں سے کسی نے اسے قبول نہیں کیا اکبر نے غیر مسلم عورتوں سے شادیاں کیں، اپنے حرم کی زینت بنایا، ان کے مشرکانہ اعمال کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیا؛ تاکہ غیر مسلم رعایا کی نظر میں اس کی حیثیت ایک سیکولر حکمراں کی بنی رہے، کم وبیش پچاس سال کی اس کی حکمرانی میں رواداری کے نام پر اسلامی افکار واقدار، معتقدات کا قتل کیا گیا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور ان کے صاحب زدگان کی مسلسل محنت سے اس تحریک کے برے اثرات کو ختم کیا جاسکا، اس کے برعکس حضرت اورنگزیب عالمگیر کی حکومت بھی کم وبیش پچاس سال رہی، ان کے نزدیک رواداری کا مفہوم ''لکم دینکم ولی دین'' یعنی تمہارے لیے تمہارا دن اور ہمارے لئے ہمارا دین تھا، وہ اپنے دین وشریعت پر سختی سے عامل رہے، ان کے اس عمل کی وجہ سے حکومت کمزور نہیں ہوئی؛ بلکہ جنوب کے علاقوں میں برسوں ان کا لڑائی میں مشغول رہنا ان کی حکومت کے زوال کا سبب بنا۔

ہندوستان میں رواداری کے نام پر جس کلچر کو فروغ دیا جارہا ہے وہ اکبر کے سیکولرزم کا چربہ ہے اور وہ اسلامی افکار واقدار سے میل نہیں کھاتا، ہم اسے بھائی چارہ کہتے ہیں اور ان کے ذہن ودماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ مسلمان اس وقت خوف ودہشت کے ماحول میں جی رہا ہے اس لیے وہ اس رواداری پر اتر آیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارا مسلمان بھائی جو اپنے کو غیر مسلم بھائیوں کے سامنے سیکولر بننے کے لیے مختلف مندروں اور گرودواروں میں جاکر پوجا ارچنا کرتا ہے، متھا ٹیکتا ہے، وہ اپنے دین ومذہب سے کھلواڑ کرتا ہے، رواداری ایک دوسرے کے تئیں احترام کے رویہ کا نام ہے، نہ یہ کہ ایسے اعمال شرکیہ کا جو خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کے تقاضوں کے خلاف ہو، یہ رویہ زیادہ تر ہمارے سیاست دانوں میں پایا جاتا ہے، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس کو جان ودل، ایمان واسلام عزیز ہو، وہ اس گلی میں کیوں جائے، جائیے ضرور جائیے، خوب سیاست کیجئے، لیکن سیاست میں عہدے اور مال وزر کی حصولیابی کی غرض سے اپنا ایمان وعقیدہ تو برباد نہ کیجئے، تھوڑے مفاد کے حصول کے لیے حق بات کہنے سے گریز کا رویہ نہ اختیار کیجئے، اس لیے کہ دنیاوی عہدے جاہ ومنصب اور مفادات چند روزہ ہیں، اور آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیش کے لیے ہے، چند روزہ زندگی کے لیے ابدی زندگی کو برباد کر لینا عقل وخرد سے بعید ہی نہیں، بعید تر ہے۔

بلاتبصرہ

''کئی سارے لوگ اسکول میں ڈریس کوڈ کے بہانے حجاب پر سوال اٹھا رہے ہیں، فوج، پولیس وغیرہ کے یونیفارم کی مثالیں دی جارہی ہیں، انہیں یہ سمجھنا ہوگا کہ حجاب میں چہرہ نہیں چھپتا، صرف سر اور کان ڈھکا جاتا ہے، حجاب، نقاب اور برقعہ میں فرق ہوتا ہے، لہٰذا اسکول یونیفارم سے ملتے جلتے کپڑے کے بھی حجاب پہنے جاسکتے ہیں، اگر اسکول میں کسی مذہب کی علامت پر اعتراض ہے تو وہاں سے تمام مذاہب کی علامتوں کو ہٹانا ہوگا، پوجا پاٹ اور دعا تک کی مخالفت ہونی چاہئے'' (راکیش پاٹھک، ہندوستان ۱۴؍ اکتوبر ۲۰۲۲ء)

اللہ کی باتیں----- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

نیک وصالح عورت کا کردار:

﴿ آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش وآرائش کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو کھلا رہتا ہے اور اپنے گریبانوں پر دوپٹے ڈال لیا کریں ﴾ (سورۂ نور:۳۱)

مطلب :رب کائنات نے ان آیات میں مومن عورتوں کو سماجی زندگی سے متعلق چند اہم احکام وہدایات دی ہیں، جن میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں اور وہ عورتوں کی فطری ساخت کے لحاظ سے بھی ضروری ہیں، اس سے جہاں بہت سی برائیوں کے دروازے بند ہوں گے، وہیں معاشرے میں عورتوں کو تحفظ بھی حاصل ہوگا، ان ہدایات میں پہلی بات یہ کہی گئی کہ عورتیں اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، اپنے محارم کے سوا کسی غیر محرم مردوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنا گناہ ہے اور بلا شہوت دیکھنا خلاف اولیٰ ہے، ہاں اگر اچانک کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو فوراً نگاہ پھیر لیں اور جہاں تک ممکن ہو غیر محرم کو دیکھنے سے پرہیز کریں، دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ عورتیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنے صنفی اعضا کے ستر کو چھپا کر رکھیں، یعنی زنا کاری وحرام کاری سے پرہیز کریں اور تیسرے یہ کہ اپنے فطری حسن کو چھپائیں اور اپنی زیبائش وآرائش کو غیر مردوں کے سامنے ظاہر نہ کریں؛ یعنی سر، گردن، سینہ؛ بلکہ پورے جسم کو دوپٹہ سے چھپائے رکھیں۔ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی چیز کو بھی ظاہر نہ ہونے دے بجز اس کے جو نقل وحرکت اور کام وکاج کرنے میں عادۃً کھل ہی جاتی ہیں، ان میں برقع اور چادر بھی داخل ہیں، چہرہ اور ہتھیلیاں بھی کہ جب عورت کسی مجبوری اور ضرورت سے باہر نکلتی ہے تو برقع، چادر وغیرہ کا ظاہر ہونا تو متعین ہی ہے، لیکن دین کی ضرورت میں بعض اوقات چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں بھی کھل جاتی ہیں تو وہ بھی معاف ہیں، گناہ نہیں۔ ان احکامات کی روشنی میں ہم سب کو اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہماری ماں اور بہنیں ان قرآنی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہیں؟ یا آزادی نسواں کا نعرہ لگانے والے روشن خیال لوگوں کے بہاؤ میں بہہ رہی ہیں، جس طرح زمانہ جاہلیت میں عورتیں اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر ڈال دیتی تھیں، جس سے سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی، گویا حسن کا مظاہرہ تھا، رب کائنات نے اس طرح کی سماجی زندگی پر قدغن لگاتے ہوئے اس کی اصلاح فرمائی؛ تاکہ عورتوں کی عفت وعصمت کی حفاظت ہو سکے۔

برائیوں کی سزا دنیا ہی میں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے مہاجرین! پانچ چیزیں ایسی ہیں جن میں تم کو آزمایا جائے گا اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم کو ان چیزوں میں آزمایا جائے، کسی بھی قوم میں اس وقت تک بدکاری ظاہر نہیں ہوتی جب تک وہ کھلے عام بدکاری نہ کرنے لگے، جب یہ کام کرنے لگیں گے تو اس قوم میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیلیں گی جو پچھلی قوموں میں نہیں پھیلیں، اسی طرح جب ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے تو قحط سالی اور بھکمری آئے گی اور حکمرانوں کے ظلم وستم سے انہیں دوچار ہونا پڑے گا، اسی طرح جب وہ زکوٰۃ دینا بند کر دیں گے تو ان پر بارش روک لی جائے گی اور جب وہ وعدہ کو توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسا دشمن مسلط کر دے گا، جو ان کے ہاتھوں سے بہت کچھ چھین لے گا اور جب وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں جھگڑا اور تفرقہ پیدا کر دے گا} (ابن ماجہ، باب العقوبات)

وضاحت :اسلام انسانی معاشرے کو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل معاشرہ بنانا چاہتا ہے، بدکرداری وبدعہدی اور معاشرت ومعیشت میں بے راہ روی اور بددیانتی کو قطعا برداشت نہیں کرتا؛ کیوں کہ اس سے معاشرہ تباہ وبرباد ہوتا ہے اور انسانی افراد کو روحانی اور مادی نقصان پہونچتا ہے؛ اس لیے جب کسی قوم میں یہ برائیاں عام ہو جاتی ہیں تو قوم وملک کی ہلاکت وبربادی کا سبب بنتی ہیں۔ گذشتہ قوموں میں مختلف طرح کی روحانی بیماریاں تھیں، قوم لوط میں شرک کے ساتھ فحاشی وبے ہودگی، قوم مدین میں ناپ تول میں بے ایمانی کرنا اور تجارتی لین دین میں بددیانتی کرنا ان کی فطرت بن چکی تھی، اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اخلاق وعادات کی اصلاح پر توجہ دلائی، مگر یہ قومیں سرکشی وعناد پر قائم رہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ وبرباد کر دیا، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو متنبہ کیا کہ برائی وبدکاری کے قریب بھی نہ پھٹکنا، اس لیے کہ جب کوئی قوم فحاشی وبے حیائی میں مبتلا ہو جاتی ہے تو ایسی قوم دنیا میں ہی مختلف طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں، یا اسی طرح جب کوئی ناپ تول میں کمی بیشی کرتی ہے تو ایسی قوم پر رزق کی تنگی اور ظالم حکمرانوں کا ان پر سایہ دراز ہو جاتا ہے، جن لوگوں پر زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی ادائیگی لازم ہے؛ مگر وہ اس کو ادا کرنے سے پہلو تہی اختیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر خیر وبرکت کی بارش روک لیتے ہیں۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی قوم زکوٰہ دینا چھوڑ دیتی ہے تو اللہ اس کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا کر دیتا ہے، اسی طرح جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق حق وانصاف سے فیصلے کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر اطمینان وسکینت نازل فرماتے ہیں؛ لیکن جب وہ حق تلفی کرنے لگتی ہے، عدل وانصاف کے دامن کو چھوڑ دیتی ہے تو اس کے نتیجہ میں آپسی جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں، پھر معاشرہ تباہی کی راہ پر چلنے لگتا ہے۔ اب ذرا غور کیجئے کہ آج دنیا میں عذاب کی جتنی بھی شکلیں پائی جاتی ہیں، وہ سب ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے، آج ہم اپنی بدعملی کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، اگر ہم چاہتے ہیں ہمارا گھر اور معاشرہ تہذیب واخلاق کا اعلیٰ نمونہ بنے تو اپنے کو اسلامی کلچر میں ڈھالنا ہوگا اور سنت وشریعت کے مطابق زندگی گذارنی ہوگی۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

قبرستان میں جے سی بی مشین یا ٹریکٹر کے ذریعہ مٹی بھرانا:

قبرستان میں بہت زیادہ جنگل جھاڑی ہونے اور برسات میں پانی جمع ہونے کی وجہ سے قبرستان کمیٹی نے صفائی اور مٹی بھرانے کا منصوبہ بنایا ہے، اس سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ قبرستان میں جنگل جھاڑی کی صفائی اور مٹی بھرائی درست ہے یا نہیں؟ مٹی بھرنے کے لیے قبرستان میں جہاں قبریں بھی ہیں، ٹریکٹر یا جے سی بی مشین کے ذریعہ مٹی ڈالنا اور برابر کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قبرستان میں غیر ضروری جنگل جھاڑی کی صفائی اور مٹی ڈال کر قبرستان کی اصلاح کرنا شرعاً جائز ودرست ہے۔ لیکن اس کے لیے ٹریکٹر اور جے سی بی مشین کو قبرستان کے اس حصہ میں جہاں قبریں ہوں، چلانا قبروں کو روندنے کے مترادف ہے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ "نهى رسول الله صلى الله عليه و سلم أن تجصص القبور و أن يكتب عليها و ان يبنىٰ عليها و أن توطأ" (ترمذی /۲۰۳ باب كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها)

لہٰذا صورت مسئولہ میں قبروں والے حصے میں ٹریکٹر یا جے سی بی مشین کے ذریعہ مٹی ڈالنا شرعاً صحیح نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ ان مشینوں کے ذریعہ ایک کنارہ میں مٹی ڈال دی جائے، پھر مزدوروں سے اٹھوا کر پورے قبرستان میں جہاں ضرورت ہو اس کو پھیلا دیا جائے۔ فقط

قبرستان میں جانوروں کو چرانا:

ہمارے یہاں قبرستان میں گائے، بیل، بھینس وغیرہ کو لوگ چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں جانور قبروں کو روندتے ہیں، اس پر پیشاب ولید بھی کرتے ہیں، منع کرنے پر لوگ مانتے نہیں ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

میت کا احترام ضروری ہے، کوئی ایسا کام جس سے اس کی توہین لازم آئے شرعاً درست نہیں ہے، اور ظاہر ہے جب جانور قبرستان میں چریں گے تو قبروں کو روندیں گے بھی اور پیشاب وپاخانہ بھی کریں گے اور یہ ساری چیزیں میت کی توہین وتکلیف کا سبب ہیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"كسر عظم الميت ككسره حياً" (ابو داؤد/۴۵۸؛ كتاب الجنائز) میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔ شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جس طرح زندہ لوگوں کی توہین اور ان کو تکلیف پہونچانے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح مردہ لوگوں کی توہین اور ان کو تکلیف پہونچانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔

"قال الطيبي : اشارة الى أنه لا يهان ميتاً كما لا يهان حياً و قال ابن الملك و الى أن الميت يتالم الخ و قد اخرج ابن ابى شيبه عن ابن مسعود رضى اللّٰه عنه اذى المومن فى موته كاذاه فى حياته" (مرقاة ۲/۳۸۰؛ باب دفن الميت)

لہٰذا صورت مسئولہ میں قبرستان میں جانوروں کو چرانا شرعاً جائز ودرست نہیں ہے، اس لیے احتراز لازم ہے، قبرستان کمیٹی کی ذمہ داری ہے کہ قبرستان کی حفاظت کا نظم کرے۔ فقط

تدفین سے روکنا:

ایک عام موقوفہ قبرستان ہے، جس میں ایک زمانہ سے تدفین کا سلسلہ جاری ہے، کبھی کسی نے کسی کو دفن کرنے سے نہیں روکا، اچانک ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ ایک مکتبہ فکر کے لوگوں نے تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے ایک آدمی، جس کا انتقال ہو گیا تھا کو اس عام قبرستان میں دفن کرنے سے روک دیا، جس پر بڑا ہنگامہ ہوا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا عام موقوفہ قبرستان میں کسی مسلمان کو دفن کرنے سے روکنا شرعاً صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عام موقوفہ قبرستان میں کسی مسلمان میت کی تدفین سے روکنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ منشاء واقف کے خلاف ہے اور منشاء واقف کے خلاف کرنے کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے۔

"شرط الواقف كنص الشارع: اى فى المفهوم والدلالة و وجوب العمل به۔" (الدر المختار على هامش رد المحتار۳/۴۱۶؛ كتاب الوقف مطلب فى قولهم شرط الواقف كنص الشارع)

لہٰذا صورت مسئولہ میں مسلک ومشرب کے اختلاف کی بنیاد پر ایک مسلمان میت کو مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنے سے روکنا انتہائی غلط اور جاہلانہ عمل ہے، جو ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہے، جن لوگوں نے ایسا کیا بہت غلط کیا، انہیں چاہئے کہ صدق دل سے توبہ واستغفار کریں اور آئندہ اس طرح کی قبیح حرکت سے باز رہنے کا عزم مصمم کریں، مسلک ومشرب کی بنیاد پر آپس میں اختلاف وانتشار پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، تمام مسلمان کلمۂ واحدہ کی بنیاد پر متحد ومتفق ہو کر زندگی گذاریں۔

خصی کی نذر میں اس کی قیمت کا صدقہ کرنا:

ایک عورت نے نذر مانی کہ میرا لڑکا جو غائب ہے، اگر وہ مل گیا، تو ایک خصی فلاں مدرسہ میں صدقہ کروں گی، وہ لڑکا مل گیا۔ اب وہ چاہتی ہے کہ خصی صدقہ کرنے کے بجائے اس کی قیمت غرباء ومساکین پر صدقہ کرے، کیا اس طرح کی نذر ادا ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

متعین جگہ اور متعین چیز کی نذر ماننے کی صورت میں نذر ماننے والے پر اس متعین جگہ اور متعین چیز کی پابندی لازم نہیں ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکے کے مل جانے پر متعین مدرسہ میں خصی دینا ضروری نہیں ہے، اگر خصی کی قیمت فقراء ومساکین پر صدقہ کر دیا جائے تو اس سے بھی شرعاً نذر ادا ہو جائے گی۔ (البحر الرائق:۱/۶۷)

"والنذر...... لا يختص بزمان ومكان و درهم و فقيرفلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدراهم على فلان فخالف جاز۔" (الدر المختار على رد المحتار۳/۴۲۲، كتاب الصوم قبيل باب الاعتكاف) فقط واللّٰه تعالىٰ اعلم

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

نقیب

ہفتہ وار
پھلواری شریف پٹنہ

پھلواری شریف

جلد نمبر 62/72 شمارہ نمبر 39 مورخہ ۲۰/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۷/۱۰ اکتوبر ۲۰۲۲ء روز سوموار

ڈاک کا دم توڑتا نظام

پیغام رسانی کا کام تو زمانۂ قدیم سے جاری ہے اور یہ انسان کی بہت بڑی ضرورت ہے، البتہ اس کے نظام اور طریقۂ کار میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، پہلے یہ کام ہرکاروں سے لیا جاتا تھا، شیر شاہ سوری نے 1541ء میں بنگال اور سندھ کے بیچ پیغام رسانی کے لیے گھوڑوں کا استعمال کیا، ڈاک کا موجودہ نظام ہندوستان میں 1766ء میں رابرٹ کلائیو نے رائج کیا، 1774ء میں برطانوی حکومت کے گورنر جنرل وارن ہسٹنگس نے اسے منظّم کیا اور 31 مارچ 1774ء میں کلکتہ میں جنرل پوسٹ آفس (GPO) کھولا گیا۔ اس سلسلہ کو وسعت دیتے ہوئے 1786ء میں مدراس جنرل پوسٹ آفس اور 1793ء میں ممبئی جنرل پوسٹ آفس کا قیام عمل میں آیا۔ ان تینوں جنرل پوسٹ آفس کو مربوط اور منظّم کرنے کے لیے ضوابط بنائے گئے۔ اور کل ہند ڈاک خدمات کا آغاز ہوا۔ 1947ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا، اس وقت پورے ہندوستان میں کل تئیس ہزار تین سو چوالیس (23344) ڈاکخانے تھے۔ ان میں سے انیس ہزار ایک سو چوراسی (19184) دیہی اور چار ہزار ایک سو ساٹھ (4160) شہری حلقوں میں کام کر رہے تھے۔ اب بھی دیہی علاقوں میں ہی ڈاک کا نظام کسی درجہ میں قائم ہے، ورنہ سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کے اس دور میں اس کا مصرف صرف دفتری خطوط کی ترسیل اور اخبارات ورسائل کو مقامات تک پہونچانے کا رہ گیا ہے۔ اس میں بھی صارفین کی طرف سے تاخیر اور گمشدگی کی شکایت عام ہے۔ اس کے باوجود اب بھی پورے ہندوستان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ دیہی علاقوں میں ان دنوں ڈاک گھروں کی تعداد ایک لاکھ انتالیس ہزار سڑسٹھ (139067) ہے جو اوسطاً 21.56 کیلومیٹر کی دوری پر ہے۔

ڈاک کے نظام کو مضبوط کرنے کے لیے مختلف سالوں میں اسے عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے، 1972ء میں پوسٹل انڈکس نمبر یعنی پن کوڈ کی شروعات کی گئی، 1984ء میں ڈاک جیون بیما اور 1986ء میں اسپیڈ پوسٹ نے ڈاک کے نظام کو تیز رفتار بنایا۔ 1996ء میں تجارتی ڈاک خدمات کو سامنے لایا گیا اور جب انٹرنیٹ کی آمد ہوئی تو 2001ء میں الیکٹرونک فنڈ منتقلی نے رواج پایا۔ ڈاک کے پرائیوٹ نظام ''کوریئر'' کو مات دینے کے لیے شعبۂ ڈاک نے اکسپریس پارسل، تجارتی پارسل، وصولی کے وقت قیمت کی ادائیگی، رقم کی منتقلی وغیرہ خدمات کے ذریعہ مقابلہ کی کوشش کی۔ لیکن سرکاری کارندوں کی خدمات میں کوتاہی کے نتیجے میں سامان اور پیغام رسانی کے نظام میں نجی کمپنیوں پر سرکاری ڈاک سبقت نہ لے جاسکی۔

ڈاک میں استعمال ہونے والے پوسٹ کارڈ، انتر دیشی، لفاف وغیرہ کی مانگ کم ہوئی اور اب سوشل میڈیا کی تیز رفتاری نے بہت ساری جگہوں پر اس نظام کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ اور محاوروں کی زبان میں کہیں تو ''ڈاک خانوں کے دن لد گئے۔''

کارڈ وغیرہ کے علاوہ ڈاک خانہ کے نظام میں ڈاک ٹکٹوں کی بھی بڑی اہمیت رہی ہے، یکم مئی 1840ء کو پہلا ڈاک ٹکٹ پینی بلیک (Penny Black) کے نام سے برطانیہ میں جاری ہوا تھا، ہندوستان میں پہلا ڈاک ٹکٹ 1852ء میں سوبہ سندھ میں جاری ہوا۔ اسی سال صوبہ سندھ کے گورنر نے ڈاک مہر کا سلسلہ شروع کیا، 1854ء میں ہندوستان میں نصف آنہ، ایک آنہ اور چار آنے کے ڈاک ٹکٹ جاری کیے گیے۔ ان پر مہارانی وکٹوریہ کی تصویر ہوا کرتی تھی، کیوں کہ ہندوستان غلام تھا اور ملکہ وکٹوریہ برطانیہ کی ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں کی بھی ملکہ تھی۔ اور بہادر شاہ ظفر کی حکومت از دہلی تا پالم ہی رہ گئی تھی۔ ہندوستان میں ڈاک ٹکٹوں کی طباعت کا کام 1926ء میں شروع ہوا، 21 نومبر 1947ء کو آزاد ہندوستان کا پہلا ڈاک ٹکٹ عوام کی خدمت کے لیے پیش ہوا۔ اور 15 اگست 1948ء سے گاندھی جی کی تصویر ڈاک ٹکٹ پر شائع ہونے لگی۔ اس کے بعد ملک کی نامور شخصیات پر ڈاک ٹکٹوں کا سلسلہ شروع ہوا؛ جن میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی پر بھی ڈاک ٹکٹ شامل ہے۔ ریشمی رومال تحریک کے نام سے بھی ایک ڈاک ٹکٹ محکمہ نے جاری کیا تھا۔

ان تمام کے باوجود ڈاک کا نظام دم توڑتا جا رہا ہے، ڈاک خانہ کے ذریعہ بھیجی جانے والی چیزیں یا تو ملتی نہیں ہیں، یا ملتی ہیں تو مہینوں لگ جاتے ہیں، عام ڈاک ہی نہیں اسپیڈ پوسٹ تک کا یہی حال ہے۔ نقیب کے شمارے قارئین تک نہیں پہونچنے کی شکایتیں بھی ملتی رہتی ہیں۔ ہر ہفتہ پتہ چیک کر کے نقیب ڈاکخانوں میں ڈالا جاتا ہے، لیکن ڈاک کی گڑبڑی سے وہ جگہ تک نہیں پہونچتا ظاہر ہے ادارہ اس میں کچھ نہیں کر پاتا ہے۔ خریداروں کو مقامی ڈاکخانوں سے رجوع کر کے وہاں کے بڑے پوسٹ آفس میں شکایت درج کرانی چاہئے اور اس کی کاپی نقیب کے دفتر کو بھی ارسال کی جائے تاکہ پٹنہ کے صدر ڈاک خانے تک ہم بھی آپ کی شکایت پہونچا سکیں۔ اس سے زیادہ کچھ ادارہ کے بس میں نہیں ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ نہ ملنے کی شکایت ہمیں ملے اور وہ شمارہ ہمارے پاس موجود ہو تو اسے دوبارہ بھیج دیں۔ مشترکہ جدو جہد سے شاید کوئی راہ نکل آئے۔

میڈیکل کچرے سے فضائی آلودگی

فضائی آلودگی سے نمٹنے کے لیے عالمی پیمانے پر سیمینار و سمپوزیم کا انعقاد کیا جا رہا ہے، سائنس داں فکر مند ہیں کہ آلودہ ماحول سے انسانی، حیوانی اور نباتاتی جانوں کی حفاظت کس طرح کی جائے۔ ایک دروازہ بند کیا جاتا ہے تو دوسرا کھل جاتا ہے، سپریم کورٹ نے بارود اور پٹاخوں سے پھیلنے والی آلودگی کو روکنے کے لیے دیوالی میں اس کے استعمال پر روک لگا دی، تو ایک دوسرا دروازہ میڈیکل کچرے سے پیدا ہونے والی فضائی آلودگی کا کھل گیا، جو انسانی زندگی ہی نہیں بلکہ جانوروں کی زندگی کے لیے بھی خطرہ پیدا کرتا ہے۔ بلکہ پانی اور ہوا کو بھی آلودہ کر دیتا ہے۔ میڈیکل کچرا یا میڈیکل ویسٹ کا مطلب ہے اسپتالوں یا لیبوریٹریز میں انسانوں یا جانوروں کے جسم سے متعلق بیکار چیزیں (waste) یا علاج یا جانچ میں استعمال کی چیزیں۔ حکومت ہند اور میڈیکل کاؤنسل آف انڈیا کی رپورٹ کے مطابق ان بایو میڈیکل کچروں کی وجہ سے انفیکشن، ایچ آئی وی، وبائی بیماریاں اور ہیپاٹائٹس جیسی سنگین بیماریوں کے ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ان کچروں میں پلاسٹک کی گلوکوز کی بوتلیں، انجیکشن اور سرنج دواؤں کی خالی بوتلیں، استعمال شدہ آئی وی سیٹ، دستانے، بچی ہوئی یا خراب دوائیں، مریضوں کے فضلات اور جسم کے کٹے ہوئے حصے، ریڈیم، ایکسرے، کوبالٹ، بیٹری یا لیب سے متعلق کیمیائی اشیاء شامل ہیں۔

ان بایو میڈیکل کچروں کو ٹھکانہ لگانے کی واحد صورت ہے کہ خصوصی بجلی سے چلنے والی بھٹیوں میں جلا کر راکھ کر دیا جائے، جن کا درجہ حرارت 1150 ڈگری سیلسیس ہوتا ہے۔ عام درجہ حرارت پر جلانے کے باوجود ان بایو میڈیل کچروں سے لگاتار ڈایوکسن اور فیورانس جیسی خطرناک گیسیں نکلتی رہتی ہیں، جن سے مختلف بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں حتی کہ کینسر جیسی سنگین بیماری کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ اس لیے قانونا اسپتالوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ بایو میڈیکل ویسٹ ٹریٹ مینٹ اینڈ ڈپوزل پلانٹ کی مدد سے ایسے کچروں کو پابندی سے ٹھکانے لگا دیا کریں۔ سنٹرل پالیوشن کنٹرول بورڈ کی واضح ہدایت ہے کہ بایو میڈیکل کچروں کو روزانہ ضائع کیا جانا لازمی ہے۔ لیکن زیادہ تر اسپتال ایسا نہیں کرتے ہیں، بہت سے اسپتال تو سیدھے ان کچروں کو ندی، نالوں یا سمندر میں ڈال دیتے ہیں۔

صرف بہار کی بات کریں تو یہاں اسپتالوں میں ایک لاکھ سے زیادہ مریضوں کے لیے بیڈ ہیں، جن کے فضلات (کچرے) کو نمٹانے کے لیے کم از کم دس مراکز ہونے چاہئیں، لیکن یہ ابھی صرف چار ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسپتالوں سے نکلنے والے ساٹھ فیصد فضلات ماحول میں گھل کر ہماری صحت کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔ ریاست بہار کی فضائی آلودگی کنٹرول کرنے والے ایک ادارہ نے 2021ء میں جو سروے کرایا تھا، اس کے مطابق پوری ریاست میں چھبیس ہزار چار سو اٹھہتر (26478) اسپتال ہیں، ان میں چھ ہزار چھ سو آٹھ (6608) اسپتال ایسے ہیں جہاں مریضوں کو ایڈمٹ کرنے کی سہولت نہیں ہے۔ دس ہزار چار سو انتالیس (10439) اسپتال ایسے ہیں جہاں مریضوں کو داخل کرنے کی سہولت ہے۔ ان اسپتالوں میں داخل مریضوں کے میڈیکل فضلات (کچرے) کو ضائع کرنے کے لیے صرف پٹنہ، گیا، بھاگل پور اور مظفر پور میں سہولت دستیاب ہے۔ مگر ابھی بھی کم از کم چھ مراکز ان فضلات کو ضائع کرنے کے لیے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ کٹیہار اور کشن گنج میں نجی اسپتالوں میں فضلات کو ضائع کرنے کے مراکز ہیں لیکن وہ ناکافی ہیں۔ ایسے میں ضرورت ہے کہ بہار کا محکمہ صحت اس طرف خصوصی توجہ دے تاکہ انسانوں اور جانوروں کی زندگی کو ان فضلات سے لاحق خطرات سے بچایا جاسکے۔ اسپتالوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی لاپرواہی کے چکر میں عام لوگوں کی زندگیوں سے کھلواڑ نہ کریں۔

حجاب پر ججوں میں اختلاف

کرناٹک کے تعلیمی اداروں میں لڑکیوں کو اسکول ڈریس کے ساتھ آنے کے لزوم کے ساتھ حجاب پر پابندی لگا دی گئی تھی، باغیرت و باحمیت ہماری بچیوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور احتجاج کارگر نہیں ہوا تو انہوں نے اسلامی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان اداروں میں جانا بند کر دیا۔ نتیجۃً ان کا تعلیمی سال برباد ہوا اور ان کے مستقبل پر سیاہ بادل چھا گئے۔ لیکن ان لڑکیوں کی واضح رائے تھی کہ حجاب کے بغیر ہم اسکول نہیں جائیں گے۔ اور شریعت کے حکم پر عمل کو حصول تعلیم پر فوقیت دیں گے۔ کیوں کہ ہندوستان میں یہ ہمارا دستوری حق ہے۔ اور اس دستوری حق کے حصول کے لیے 15 مارچ 2022 کو کرناٹک کے ضلع اوڈوپی کی کچھ طالبات نے کرناٹک ہائی کورٹ میں عرضی داخل کی کہ انہیں کلاس روم میں حجاب کے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے۔ لیکن کرناٹک ہائی کورٹ نے حجاب پر پابندی کو برقرار رکھا، معاملہ سپریم کورٹ پہونچا، دو رکنی بنچ میں جسٹس ہیمنت گپتا اور جسٹس سدھانشو دھولیا نے اس کی سماعت کی اور 13 اکتوبر 2022 کو دونوں ججوں نے فیصلہ سنایا، جس میں دونوں کی رائے مختلف تھی، جسٹس ہیمنت گپتا کا فیصلہ پابندی برقرار رکھنے کے حق میں تھا جبکہ جسٹس دھولیا کا فیصلہ پابندی ہٹا لینے کے حق میں آیا۔

جسٹس دھولیا نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ اسکولوں میں نظم وضبط کا ہونا ضروری ہے، لیکن نظم وضبط کا قیام آزادی اور وقار کی قیمت پر نہیں کیا جاسکتا۔ کسی طالبہ کو اسکول کے گیٹ پر حجاب اتارنے کے لیے کہنا اس کی پرائیویسی اور وقار پر حملہ ہے، انہوں نے دستور ہند کی دفعہ (1) 19 اور دفعہ (1) 25 کا حوالہ دیتے ہوئے کرناٹک ہائی کورٹ کے فیصلہ کو غلط ٹھہرایا اور اسے کالعدم قرار دیا۔

دوسری طرف جسٹس ہیمنت گپتا نے کرناٹک ہائی کورٹ کے فیصلہ کو برقرار رکھا، انہوں نے بحث کے دوران کہا تھا کہ اگر لباس کے انتخاب کی اجازت کو بنیادی حق مانا جائے تو برہنہ رہنے کو بھی اسی زمرے میں لانا پڑے گا۔ اسی وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کی سوچ کس طرف جا رہی ہے۔ ججوں کے فیصلہ میں اس اختلاف کی وجہ سے کرناٹک ہائی کورٹ کا فیصلہ ابھی برقرار رہے گا اور چیف جسٹس اب اس معاملہ کو بڑی بنچ کے حوالہ کریں گے، جو کم از کم تین ججوں پر مشتمل ہوگی۔ اس کا مطلب ہے کہ حجاب ابھی کچھ اور دنوں تک بحث کا موضوع بنا رہیگا۔

یادوں کے چراغ

محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری

مولانا سید مسرور احمد مسرور-جن کے جانے پہ آگئے آنسو

21/اگست 2022ء مطابق 22/محرم الحرام 1444ھ بروز اتوار کی بات ہے، معمول کے مطابق فجر سے پہلے بیدار ہوا، ابھی بستر ہی پر تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجی، دیکھا تو عزیزم مفتی محمد نعمت اللہ سبیلی، بانی وناظم معہد القرآن، مریم کالونی، کتہ پیٹ، حیدرآباد کا فون تھا، بے وقت فون پر تعجب تو ہوا؛ تاہم مجھے اندازہ ہوچلا تھا، علیک سلیک کے فوراً بعد ہی کہہ پڑے کہ ابھی ابھی تہجد کے آخری وقت میں مولانا سید مسرور احمد مسرور صاحب نے حیدرآباد کے عثمانیہ ہاسپٹل میں آخری سانس لی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ فجر سے متصل ہی مولانا مرحوم کی لاش دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد سے قریب ان کی قیام گاہ پر لائی گئی، جوں جوں خبر عام ہوتی گئی، اہلِ تعلق اور محبین ومخلصین کے آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، نماز جنازہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے وسیع وعریض احاطے میں ظہر کی نماز کے بعد ان کے بڑے برادر نسبتی محترم سید احمد صاحب نے پڑھائی، جس میں اساتذہ وطلبہ کے علاوہ ایک جم غفیر نے شرکت کی اور تدفین بارکس کی مسجد "نورعین" سے متصل قبرستان میں عمل میں آئی۔

مولانا سید مسرور احمد مسرور بن سید مشرف حسین کا تعلق سادات خاندان سے تھا۔ آپ کے آباواجداد اصلاً بہار کے ضلع چھپرہ کے رہنے والے تھے، جن میں ایک مشہور شخصیت سید ریاست حسین کی تھی، جو اپنے وقت میں پولیس محکمہ میں داروغہ کے عہدے پر فائز تھے، ان کا ٹرانسفر ''چترا'' ہوا، جو ابھی صوبہ جھارکھنڈ کا ایک ضلع ہے، تو افرادِ خاندان ''چھپرہ'' ضلع سے ''چترا'' ضلع منتقل ہوگئے، اس وقت کے راجہ مہاراجہ نے ان کی حسنِ کارکردگی پر ''رَکسی'' گاؤں میں بڑی جاگیر دی تھی، زمانہ گزرتا رہا، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ایک راجہ، جسے آج بھی عوام کی زبان میں " نکٹا راجہ " کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کی نیت خراب ہوئی اور مولانا مرحوم کے جدِّ امجد کے باغ کو لینا چاہا؛ لیکن مولانا کے اجداد نے دینے سے انکار کردیا، پھر آپس میں مخاصمت ہوئی، کچھ زمین کی نیلامی ہوئی اور کچھ پر غیروں نے دھیرے دھیرے قبضہ کرنا شروع کردیا، تو مولانا مرحوم کے افرادِ خاندان نے نقلِ مکانی کرنا ہی بہتر سمجھا، اس طرح یہ خاندان مختلف جگہوں پر آباد ہوگیا۔ مولانا مرحوم کے والدِ محترم سید مشرف حسین کی شادی ضلع گیا کے ''کوٹھی'' گاؤں میں ہوئی، تو آپ وہیں آباد ہوگئے، اس طرح مولانا سید مسرور احمد مسرور کی ولادت، پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت، سب کچھ نانیہال ہی میں ہوئی، جہاں والدین نے مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔

مولانا مرحوم کی صحیح تاریخِ پیدائش کا تو علم نہیں ہے؛ تاہم آدھار کارڈ کے مطابق 1950ء میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی، اس کے بعد اپنے ہی گاؤں ''کوٹھی'' کے مدرسہ عبیدیہ میں داخل ہوئے، جہاں آپ کے خاص استاذ مولانا کلیم اللہ طوروی رہے، اس کے بعد اپنے وقت کے مشہور ومعروف ادارہ مدرسہ قاسمیہ، گیا میں داخلہ لیا، جہاں چند سالوں تک تعلیم حاصل کی، پھر سرزمینِ دیوبند کا سفر ہوا اور تعلیم وتعلم کی بجائے فنِ کتابت وخطاطی کی طرف توجہ دی، مولانا مرحوم کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ معاشی مسائل اور گھریلو ذمے داریوں کی وجہ سے یہ راہ اختیار کی گئی اور اسی کو ذریعۂ معاش بنایا، دیوبند میں قیام کے دوران حضرت مولانا ریاست علی بجنوری رحمہ اللہ اور مدنی خاندان سے کافی گہرا تعلق رہا، جسے وہاں سے آجانے کے بعد بھی نبھاتے رہے۔ دیوبند کے بعد اپنے وطن بہار کا رخ کیا اور ہندوستان کے مشہور ومعروف ادارہ امارتِ شرعیہ، پٹنہ سے وابستہ ہوگئے، جہاں امارت شرعیہ کے ترجمان 'ہفت روزہ نقیب'' کی کتابت کے ساتھ ساتھ ''روزنامہ قومی تنظیم'' سے بھی منسلک رہے، امارتِ شرعیہ میں امیرِ شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی، قاضی القضاۃ فقیہِ ملت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، حاجی شفیع صاحب تمنائی اور امیرِ شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین رحمہم اللہ سے کافی قربت رہی، آخرالذکر سے آپ کی رشتہ داری بھی تھی۔ 1986ء کے اوائل میں جنوبی ہند کے مشہور ومعروف، تعلیمی وتربیتی ادارہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد تشریف لائے، پھر دوبارہ کبھی بھی اپنے وطن جانا نہیں ہوا، آخری سانس تک اسی شہر میں رہے۔ بانی دارالعلوم سبیل السلام حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی رحمہ اللہ کی متعدد کتابوں، ادارے کے ترجمان ''سہ ماہی صفا'' اور دیگر لوگوں کی تصنیفات وتالیفات کی کتابت کی، یہاں کی لائبریری کے معاون مدیر بھی رہے، طلبۂ عزیز کی تحریر کی اصلاح بھی کی، اس طرح اپنی افادیت کو ثابت کرتے ہوئے ایک پہچان بنائی۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بہت ساری خوبیاں عنایت کی تھیں، آپ خوبصورت چہرہ، گورا رنگ، کشادہ پیشانی، لمبا قد، چھریرا بدن، مسکراتا چہرہ، خوش مزاج، خوش مذاق، بااخلاق، باذوق، ملنسار، جود وسخا کے پیکر اور فقیری میں شاہی مزاج رکھنے والے تھے، ہمدردی وغم گساری، ایثار وقربانی، صفائی وستھرائی، سلام میں پہل اور کم خوراک ہونے میں ایک مثال تھے، مزاج میں نستعلیقیت، رفتار میں تیزی، گفتار میں ٹھہراؤ اور کردار میں بلندی تھی، تنہائی پسند تھے، گوشہ نشینی سے محبت تھی، سفر سے گریزاں تھے، بازار تک جانے سے احتراز تھا، شور وشغب سے حد درجہ نفرت تھی، چھوٹے بچوں کو مفرّحُ القلوب کہتے؛ لیکن خود ان سے بہت دور رہتے، وہ ایک بے ضرر انسان تھے۔

آپ کو نثر ونظم کا صاف ستھرا ذوق تھا، اچھے شاعر تھے، بعض نظمیں اخبارات ورسائل میں شایع ہوئیں، تو بہت پذیرائی ہوئی اور خوب دادِ تحسین ملی؛ لیکن اسے کبھی پیشہ نہیں بنایا، لوگوں کے جذبات کی رعایت میں جب کبھی موقع آتا، عمدہ اور اچھے اشعار کہتے؛ بلکہ اس کے لیے باضابطہ وقت نکالتے، توجہ دیتے اور منظرِ عام پر آنے سے پہلے عموماً ہم لوگوں کو سناتے، میں جب بھی کہتا کہ: آپ کا منظوم کلام کتابی شکل میں آنا چاہیے، تو مسکرا کر رہ جاتے اور کبھی اثبات میں بھی جواب دیتے۔ حکمت وطبابت اور شرعی رقیہ سے بھی کسی حد تک لگاؤ تھا، اپنے محدود دائرے میں رہتے ہوئے قرآنی آیات واحادیث کے ذریعہ بچے، بوڑھے اور دیگر مریضوں پر دم کیا کرتے تھے؛ لیکن یہ سب صرف اور صرف خدمتِ خلق کے جذبے سے بغیر کسی فیس اور نذرانے کے انجام دیتے۔

آپ نے دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں تقریباً 35/سال کا عرصہ گزارا، ادھر دو ڈھائی سالوں سے پیرانہ سالی اور ضعف کی وجہ سے مدرسہ آنا جانا نہیں تھا، مدرسہ سے قریب کرائے کے مکان میں اہل وعیال کے ساتھ مقیم تھے؛ لیکن آپ کی طویل المیعاد خدمات کی وجہ سے ناظمِ مدرسہ نے ماہانہ وظیفہ مقرر کردیا تھا، جو آپ تک پہونچا دیا جاتا تھا۔ مدرسہ کے ذمہ داران اور اساتذہ وعملہ سے اچھے تعلقات تھے، بڑے چھوٹے سبھوں کا احترام کرتے، راقمِ سطور کو دارالعلوم سبیل السلام کے اساتذہ وطلبہ ''مولانا سراج صاحب'' یا ''مولانا ازہری صاحب'' کہا کرتے ہیں، جہاں تک مجھے یاد آتا ہے کہ مولانا مرحوم نے ہمیشہ ''مولانا ازہری صاحب'' ہی کہہ کر یاد کیا، یہ ان کی خردنوازی، محبت، اکرام اور اپنائیت کا اظہار تھا۔

1987ء میں آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا، جن سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تولد ہوا تھا، لڑکیوں کا انتقال تو بچپن ہی میں ہوگیا، لڑکے کا نام سید احمد رومی ہے، جو خوش الحان حافظ وقاری ہیں، اور تقریباً دو دہائیوں سے جدّہ میں مقیم ہیں۔ مولانا کی دوسری شادی حیدرآباد ہی میں ہوئی، جن سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا تولد ہوا، لڑکے کا نام سید محمد غزالی ہے، دونوں حافظِ قرآن، شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہیں۔ مولانا دو بھائی اور دو بہن تھے، سب سے لمبی عمر آپ ہی نے پائی۔ وفات سے دو روز پہلے مولانا سے ملاقات ہوئی، بہت بیمار تھے، نقاہت تھی، لوگوں کو پہچاننا بھی مشکل ہو رہا تھا، جوں ہی ان کے صاحب زادے حافظ سید محمد غزالی نے کہا کہ: آپ ازہری صاحب کو یاد کر رہے تھے، وہ آگئے۔ فوراً نظر اٹھائی، بہت دعائیں دی، شکریہ ادا کیا اور متعدد لوگوں کی محبتوں اور ان کے حسنِ تعاون کو نام لے لے کر یاد کیا اور اپنے حُسنِ خاتمہ کے لیے دعا کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے، سیئات پر پردہ ڈال دے، جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے، آمین یارب العالمین۔

کتابوں کی دنیا

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

تبصرے کے لیے کتابوں کے دو نسخے ارسال کرنا لازمی ہے

مولانا محمد عثمان غنیؒ کی اہم تصنیف: ''بُشریٰ''

مولانا محمد عثمان غنیؒ بڑے مفتی نامور قائد اچھے منتظم اور مشہور مجاہد آزادی تھے، انہوں نے امارت شرعیہ میں فتویٰ نویسی کا بھی کام کیا، نظامت بھی سنبھالی، اپنی دھاردار تحریروں کی وجہ سے جیل بھی گئے، امارت اور جمعیت کے پلیٹ فارم سے جدو جہد آزادی میں حصہ لیا، ان کے اداریئے، مضامین اور مقالات جو جریدۂ امارت ''نقیب'' المجیب اور دوسرے رسائل میں چھپے وہ ان کے قلم کی جولانی اسلوب کی پختگی، دلائل کی منطقیت اور اثر آفرینی کی واضح دلیل ہے۔ انہوں نے لکھا اور بھرپور لکھا، خطابت کا ملکہ ان کے اندر نہیں تھا، مجلسی گفتگو کے آدمی تھے لیکن لکھتے تو لکھتے چلے جاتے، اور قارئین مسحور ہو جاتے۔

مولانا نے بہت لکھا، ان کے مقالات اور اداریئے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فکری طور پر اسلامی افکار واقدار کے امین اور سچے وارث تھے، ان کے تعلقات کامریڈ تقی رحیم وغیرہ سے ضرور تھے، اور سیاسی طور پر آزادی کے بعد وہ کمیونسٹ آڈیالوجی کو پسند کرتے تھے، لیکن اس کا مطلب دین وملت سے بے زاری نہیں تھی جیسے بہت سارے علماء سیاسی طور پر کمیونسٹ کو پسند کرتے تھے، ویسے ہی آخری دور میں مولانا کی یہ سوچ تھی کہ جوڑی بیل کے بجائے ہنسوا بالی مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید ہے، یہ بات میں اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے بیان کر رہا ہوں جو خواہ مخواہ ان کے بارے میں وقتاً فوقتاً پھیلائی جاتی رہی ہے، شاہد رام نگری نے اس کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''کانگریس نے اپنی اعلان شدہ پالیسیوں سے انحراف کرتے ہوئے پس روی ختیار کی تو آپ نے اس کی بھرپور مخالفت کی اور تحریروں کے ذریعہ حکومت کو اپنی اصلاح کرنے کا مشورہ دیا، جب پانی سر سے اونچا ہونے لگا تو آپ کھل کے میدان میں آگئے اور کانگریس حکومت کی غلط بیانیوں کی بھرپور مخالفت کی اور سیاست میں بائیں بازو کے رجحان کی کھل کر حمایت کا اعلان کیا۔ مولانا کی مضبوط رائے تھی کی فرقہ واریت سے لوہا لینے کے لئے بائیں بازو کی قوت کا استحکام ضروری ہے، چنانچہ اس وقت جب مسلمان کمیونسٹ پارٹی سے جھجھک محسوس کرتے تھے آپ نے سیاسی بنیادوں پر کمیونسٹ کی حمایت کی اپیل کی۔''

مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس میں ایک اہم کتاب ''بشریٰ'' ہے جس کا موضوع سیرت پاک ہے، یہ ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے، جس کی زبان آسان ہے اور جو طلبہ نیز کم پڑھے لکھے لوگوں تک معنی کی ترسیل کے لئے انتہائی مفید ہے۔

بشریٰ کے اب تک تین ایڈیشن نکل چکے ہیں، پہلا ایڈیشن ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا تھا، اس ایڈیشن تک میری رسائی نہیں ہوسکی، البتہ دوسرا ایڈیشن ڈاکٹر ریحان غنی صاحب کی کرم فرمائی سے میرے مطالعہ میں آیا، اس ایڈیشن کے سرورق پر بشریٰ از مولانا سید شاہ محمد عثمان غنی صاحب اور نیچے ناشر میں غنی بک ڈپو درج ہے، اندرونی ٹائٹل دیکھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ ان دنوں ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار تھے، اس پر عرض ناشر یکم صفر ۱۳۷۴ھ کا لکھا ہوا ہے، اس میں یہ بھی اطلاع دی گئی ہے کہ پہلا ایڈیشن چند مہینے میں ختم ہوگیا تھا اور لوگوں کے مطالبے جاری تھے۔

دوسرے ایڈیشن کے پریس جانے کے پہلے مصنفؒ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور طباعت سے پہلے معمولی سی لفظی ترمیم بھی کی، اس کی طباعت آزاد پریس سبزی باغ سے ہوئی تھی۔ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں سامنے آیا اسے مسلم اسٹوڈینٹس ایسوسی ایسوشن آف انڈیا دارالغنی شاہ گنج پٹنہ نے چھپوایا تھا، عظیم آباد پبلی کیشنز لمیٹید بھکنا پہاڑی پٹنہ ٦ سے طبع شدہ اس ایڈیشن کی قیمت چار روپے تھی، اس پر سنہ اشاعت نومبر ۱۹۸۳ء درج ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ عرض ناشر کے طور پر ڈاکٹر ریحان غنی کی جو تحریر اس کتاب میں شامل ہے اس پر تاریخ یکم دسمبر ۱۹۸۳ء مطابق ۲۵ رصفر ۱۴۰۴ھ درج ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نومبر میں یہ کتاب نہیں چھپی تھی دسمبر اور اس کے بعد ہی اس کی طباعت ہوسکی ہوگی، ڈاکٹر ریحان غنی صاحب نے عرض ناشر میں لکھا ہے کہ ''مولانا مفتی سید شاہ محمد عثمان غنیؒ نے آسان اور عام فہم زبان میں یہ کتاب لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔'' (ص:۳)

بشریٰ کے بارے میں شروع میں دو تأثرات اور آرا بھی درج کی گئی ہیں ان میں ایک اس وقت کے امیر جماعت اسلامی ہند بہار کے ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ کے تأثرات ہیں جنہیں ان کی رائے سے تعبیر کیا گیا ہے، ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے کہ ''بچوں کے لئے اتنا جامع رسالہ سیرت طیبہ پر میں نے نہیں دیکھا ہے، انداز بیان بھی سیدھا سادہ ہے اور واقعات کو مختصر پیراگرافوں میں اور آسان زبان میں بیان کر کے بچوں کے لئے بہت مفید بنادیا گیا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

مسلم سلاطین کی فتوحات میں صوفیاء کرام کا مثالی کردار

محمد اشتیاق ایوبی

اسلام کے قیام وظہور کے بعد دورنبوی اوراس کے بعد جتنی بھی فتوحات ہوئیں وہ ساری کی ساری اس عہد کے اہل باطن اور روحانی رجال اللہ کی رہین منت ہیں۔ دورنبوی کی فتوحات حضرت نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت وقیادت کی رہین منت ہیں۔ دورخلافت راشدہ کی فتوحات حضرات صحابہ کرام کے مثالی ایثاروقربانی وشجاعت نیز جذبہ جہاد کی رہین منت ہیں اور دور ملوکیت و بادشاہت کی ابتدا سے زوال شاہی تک کی اکثر فتوحات متقدمین ومتوسط حضرات صوفیاء کرام کی مجاہدانہ شمولیت اور باطنی دعاؤں کی رہین منت ہیں۔

اگرآپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر خلافت راشدہ تک کی فتوحات کا گہرائی سے جائزہ لیں تو یہ حقیقت روز آخرتک کیلئے آشکار ہے کہ نہ تو کوئی بادشاہت تھی، نہ کوئی مملکت، نہ تخت شاہی، نہ ہی قابل تسخیر مطلوبہ آلات حرب، نہ وافر گھوڑے اوراونٹ تھے۔ اگر کچھ تھا تو ایمان واسلام پر مشتمل روحانیت سے معمور شوق شہادت اور جذبہ ایثاروشجاعت تھا جس نے عرب کے صحرہ سے لیکر قیصروکسریٰ، مصروشام، عراق ویونان حتی کہ مملکت سندھ تک کی ناقابل تسخیر سرحدوں کو اسلام کے زیرنگیں کردیا۔ فاتح مجاہدین صوفیاء کے لئے ان تمام فتوحات کا مقصد تخت وسلطنت نہ ہوکر دین وایمان کی دعوت وتبلیغ پر مشتمل توحیدورسالت کی آبیاری اوراسلامی روایات واقدار کا قیام تھا۔ جہاں ایک طرف مجاہدین دن بھر میدان کارزار میں اپنے جوہر کا مظاہرہ کرتے تو راتیں فاتح ممالک کی زمین پر مقیم بے دین قوموں کی اسلامی ہم آغوشی اور تعلیم وتربیت کی گواہ ہوتیں۔ جب کہ شب کا دیگر حصہ رب کی شب بیدار بندگی اور روحانی ذکروشغل سے جلوہ بار رہتی تھی۔

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت و بادشاہت کی ابتداء اور توسیع پذیر فتوحات کا بھی مطالعہ کریں گے تو اکثر فتوحات میں متعدد صوفیاء کرام کو لشکرشاہی کے شانہ بہ شانہ اہم کردار نبھاتے پائیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی تمام تر فتوحات کا انحصار حضرات صوفیاء کرام کی شمولیت پر منحصر تھی۔ دراصل صوفیاء کرام بذات خود ذاتی دلچسپی کے تحت لشکرشاہی میں شامل ہوتے تھے، تاکہ ان کی شمولیت اسلامی تبلیغ واشاعت کی تقویت کا باعث ہو۔ سلاطینوں کی جنگی مہمات حضرات صوفیاء کرام کی جلالت روحانی کے سبب فتح سے ہمکنار ہوتیں۔ فتح کے بعد شایان مملکت قصر شاہی کی آرائشوں میں گم ہوجاتے، جب کہ صوفیاء کرام کا شاہی مہمات میں شمولیت کا مقصد فتح یابی کے بعد تاج وتخت یا دولت وثروت کا حصول نہ ہوکر صرف اورصرف دین اسلام کا قیام، تعلیمات اسلامی کی اشاعت اور شعار اسلام کی تبلیغ مطمح نظر تھی۔ حضرات صوفیاء کرام یہ جانتے تھے کہ تخت وتاج کے خوگر سلاطین سے خدمات دین کی توقع لاحاصل ہے، لہٰذا وہ اسلامی تبلیغ و اشاعت کا منصب اپنے ذمہ رکھ کر اپنی آخری سانس تک عمل پیرا رہتے تھے۔ ایک دوسرا سچ یہ بھی ہے کہ جہاں ایک طرف تخت وتاج کے خوگر سلاطین کو صوفیاء کرام کی شمولیت اور باطنی پشت پناہی کے سبب فتح مقدر ہوتی تھی تو دوسرا نہایت تاریک پہلو یہ بھی ہے کہ یہی صوفیاء کرام سلاطین کے عناد اور جبروتشدد کا شکار بھی ہوتے تھے۔ ایسے جبروتشدد کے دو نہیں، بلکہ بے شمار واقعات مختلف صفحات تاریخ پر درج ہیں۔ سلاطین کے دست ظلمت کے ہاتھوں جبروتشدد کا شکار ہونے والے یہ صوفیاء کرام نہ تو شاہی مظالم سے گھبراتے، نہ پسپائی اختیار کرتے، بلکہ جبروتشدد کے مقابل سینہ سپر ہوکر فی سبیل اللہ حق کی بالادستی کا پرچم بلند کر دار ورسن کو چومتے نظر آتے تھے۔

تاریخ کے زریں باب پر اپنے تاریخ ساز جوہر وکردار اور زریں کارنامے درج کرانے والے چند درج ذیل سربہ فلک صوفیاء کرام کا تذکرہ حوالہ قرطاس وقلم ہے تاکہ موجودہ اور آئندہ نسلیں اپنے روحانی اکابر کی خدمات جلیلہ سے آگاہ ہوسکیں۔ ایسے بے نظیر موضوع پر تاریخ دانی اور مورخین کا قلم دونوں ہی خاموش نظر آتے ہیں۔ مذکورالذکر موضوع پر قابل مطالعہ اور مفصل تحریری کام دور ماضی سے عصر حاضر تک ادھورا ہے جسے پورا کرنے کی ضرورت ہے۔

1- حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے قبل کے بالاتر سابق پیران عظام کی فہرست میں پانچ پشت اوپر حضرت خواجہ ناصرالدین ابویوسف چشتی علیہ الرحمہ کے مرشد طریقت حضرت سید خواجہ ابومحمد ابدال چشتی علیہ الرحمہ نے جنگ سومنات میں سلطان محمود غزنوی کی سرپرستی کرتے ہوئے بحیثیت سالار اعلیٰ کے دست بہ دست جنگ کی اور فتح یاب ہوئے۔ آپ کی شمولیت اور سومنات کی فتح کے سبب سلطان محمود غزنوی صفحات تاریخ پر خود کو درج کرانے میں کامیاب و کامران ہوا۔ (مخزن چشت ص 169، سوانح خواجگان چشت ص 181 ودیگر کتب تاریخ)

2- حضرت سیدنا مخدوم امام تاج فقیہہ فاتح منیر علیہ الرحمہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ متقدمین صوفیاء کی فہرست میں صف اول کے شمشیر بکف حضرات صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ صوبہ بہار کے اول فاتح ہیں۔ آپ سے قبل انفرادی طور پر حضرت مخدوم مومن عارف علیہ الرحمہ کا منیر کی سرزمین پر 576ھ میں ورود وقیام ہوچکا تھا لیکن منیر کی سرزمین اسلامی آبیاری سے محروم تھی۔ سلطان محمد غوری کے عہد میں حضرت مخدوم امام تاج فقیہہ علیہ الرحمہ اپنے روحانی جاں نثاروں کے قافلے پر مشتمل لشکرشاہی کی قیادت کرتے ہوئے 587ھ میں منیر کی زمین پر قدم جہاد رکھا۔ مجاہدین اسلام اور فوج ہنود کے درمیان جنگ ہوئی۔ مسلسل کئی دنوں تک خوفناک جنگ کا سلسلہ جاری رہنے کے بعد فتح ونصرت کی وہ صبح بھی نمودار ہوئی جس کی خداداد کرنوں کے سائے میں 27 رجب 587ھ کو حضرت مخدوم امام تاج فقیہہ علیہ الرحمہ نے منیر فتح کیا۔ آپ دیار ہندوپاک میں قائم باضابطہ خانقاہی نظام ودرس کے بانی بھی قرار دیئے جاتے ہیں۔ (الدرالمنثور، تاریخ فردوسیہ ص 129، آثار منیر ص 9,8) واضح ہو کہ حضرت سیدنا مخدوم شرف الدین احمد یحیٰ منیری المعروف مخدوم جہاں علیہ الرحمہ مدفون بہار شریف اپنی پدری نسبت سے حضرت مخدوم امام تاج فقیہہ علیہ الرحمہ کے پرپوتے، حضرت مخدوم محمد اسرائیل منیری علیہ الرحمہ کے پوتے اور حضرت مخدوم کمال الدین احمد یحیٰ منیری المعروف مخدوم منیر پاک کے نورنظر لخت جگر اور حضرت سید مخدوم شہاب الدین سہروردی المعروف مخدوم پیرجگجوت کے سگے منظور نظر نواسے ہیں۔ خانقاہ منیر کی جانشینی پر فائز موجودہ مسند نشیں کو مخدوم منیر پاک کی حقیقی یا نسبی جانشینی کی سلسلہ وار کڑی سے نسبت حاصل نہیں ہے۔ موجودہ مسند نشیں مخدوم امام تاج الفقیہ علیہ الرحمہ یا مخدوم یحیٰ منیری کی نسب سے بھی نہیں ہیں، بلکہ مخدوم منیر پاک سے جاری بیعت و خلافت کی کسی قریبی کڑی کی نسبت وتوسل سے زیب مسند ہیں۔ حضرت مخدوم امام تاج فقیہ علیہ الرحمہ کا سلسلہ نسب متعدد واسطوں سے ہوکر حضرت زبیر بن عبدالمطلب پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ فاطمی سادات نہ ہوکر حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی نسبی نسبت کے باعث زبیری ہاشمی مطلبی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ عصر حاضر میں آپ کی نسبی نسبت سے خود کو متعارف کرانے والے حالیہ وارثین اپنے آپ کو شرف سیادت سے متعارف کراتے ہیں۔

3- حضرت سیدنا شمش الدین ترک پانی پتی علیہ الرحمہ کا شمار تاریخ وگروہ صوفیاء میں نمایاں مقام ومرتبے کا حامل ہے۔ آپ 21 جمادی الثانی 597ھ بمقام مرخس ترکستان میں پیدا ہوئے۔ بادشاہ ہند سلطان غیاث الدین بلبن بعہد (1266ء تا 1287ء) میں حضرت شمش الدین ترک پانی پتی علیہ الرحمہ ہندوستان وارد ہوئے۔ بادشاہ غیاث الدین بلبن آپ کی روحانی اور جلالت ایمانی سے آراستہ مقناطیسی شخصیت سے متاثر ہوکر لشکرشاہی میں شمولیت کے لئے ملتجی ہوا۔ آپ بادشاہ کی گریہ زار التجا کی خاطر سلطانی درخواست قبول کرکے لشکرشاہی میں شامل ہوگئے۔ آپ کی شمولیت اور میدان کارزار میں جلالت روحانی کی ضرب کاری کے سبب غیاث الدین بلبن کو متعدد فتوحات حاصل ہوئیں۔ آپ مشرباً طریق چشتیت کے سلطان حضرت بابا فرید گنج شکر کی بیعت وخلافت کے مجاز تھے۔ بہ حکم الٰہی پانی پت کی ولایت مقدر ہوئی۔ آپ پانی پت کی ولایت پر فائز ہونے کے باعث لشکرشاہی سے کنارہ کش ہوکر پانی پت آئے۔ یہاں مستقل سکونت اور رشد وہدایت اختیار کیا۔ دین وطریقت کی طویل العمر خدمات انجام دیتے ہوئے 15 جمادی الثانی 716ھ کو دارفانی سے دار بقاء کو کوچ کرگئے۔ (اقتباس الانوار ص 33)

4- حضرت سید میراں حسین خنگ سوار علیہ الرحمہ مدفون تارگڈھ اجمیر کا تعارف اشہر زمانہ ہے۔ آپ کو کتب تاریخ میں سید حسین مشہدی بھی لکھا گیا ہے۔ آپ مشہد مقدس کے عالی نسب ائمہ اہل بیت سادات خانوادے سے نسبت رکھتے ہیں۔ آپ اپنے اکابر کی مجاہدانہ زندگی کی سنت پر عمل پیرا شوق جہاد کی نیت سے سلطان غوری کے بعد جب قطب الدین ایبک حاکم دہلی ہوا تو قطب الدین ایبک کی خواہش پر لشکرشاہی میں شامل ہوئے۔ آپ قطب الدین ایبک نے اجمیر کی مہم پر وہاں کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔

اس وقت اجمیر پر حکمرانی تاراگڈھ قلعے پر قابض راجپوت راجہ اجے پال کی تھی۔ جب آپ اجمیر پہونچے تو راجہ اجے پال حملہ آور ہوا۔ شدید خونریز جنگ ہوئی۔ انجام کار شاہی مجاہدین اسلام کو فتح ونصرت حاصل ہوئی، لیکن آپ اسی جنگ میں اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ شہید ہوئے۔ تاراگڈھ کی چوٹی پر دفن کئے گئے۔ جہاں آج بھی آپ کی مرقد مبارک مرجع خواص وعام ہے۔ آپ کا صحیح سن شہادت کہیں درج نہیں ہے۔ لیکن قرین قیاس ہے کہ آپ کی شہادت قطب الدین ایبک (وفات 610ھ) کے عہد کے دوران ہوئی۔ (تاریخ تاراگڈھ ص 29، مرآۃ الاسرار جلد سوم ص 675)

5- حضرت سیدنا سالار مسعود غازی بہرائچ شریف علیہ الرحمہ محمود غزنوی کی وفات کے بعد لشکرشاہی میں بحیثیت سالار اعلیٰ کے دہلی، پریاگ اور بنارس کے معرکوں میں شامل رہے۔ بنارس کی فتح کے بعد دریائے بھکلہ کے ساحل سے متصل بہرائچ جو کہ اس عہد میں قوم ہنود کا ایک عظیم مرکز اور صوبہ تھا، وہاں کے لئے کوچ کیا۔ وہاں لشکر ہنود کے مقابل زبردست خونریز جنگ ہوئی اسی جنگ کے دوران 14 رجب 587ء کو جام شہادت نوش کیا۔ بہرائچ میں مدفون ہیں۔ (تاریخ الاولیاء جلد اول ص 170)

6- حصرت سید میر حسین شہید عرف چندتن شہید علیہ الرحمہ کی شہادت مشہور زمانہ ہے۔ آپ حضرت سید امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی اولاد ہونے کے باعث فاطمی سادات بزرگ ہیں۔ بختیار خان خلجی کے ہمراہ اسلامی شاہی لشکر میں بحیثیت سالار اعظم کے سہسرام کے راجہ شہستر باہو کے مقابل معرکہ آرائی میں شامل رہے۔ آپ نے دست بہ دست نہایت خونریز جنگ میں راجہ کو شکست دی۔ سہسرام کی مشرقی پہاڑی کی چوٹی پر اپنے چند دیگر شہید رفقاء کے ساتھ مدفون ہیں (تاریخ سہسرام ص 10، آئینہ ص 56، تاریخ ہند ص 128 مصنف، اسمتھ)

7- حضرت شیخ محمد ترک نارنول علیہ الرحمہ کا شمار حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے عہد کے بزرگوں میں سرفہرست ہے۔ آپ کا اصل وطن ترکستان ہے، جہاں آپ پیدا ہوئے۔ ترکستان سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے۔ آپ حضرت خواجہ عثمان ہرونی علیہ الرحمہ کے صاحب خلافت وخرقہ مرید ہیں۔ دہلی کا ترکمان گیٹ آپ کی نسبت سے منسوب ہے۔ سابق ریاست پٹیالہ (موجودہ ہریانہ) کے علاقہ ریواڑی کے نزد نارنول میں اقامت گزیں تھے۔ ہند میں اوائل اسلام کی معرکہ آرائی میں اسلامی لشکر میں شامل ہوئے۔ نارنول پر کفار کا غلبہ تھا۔ شاہی مہم کے تحت نارول میں لشکرشاہی میں شامل مجاہدین سالار وصوفیاء اور مشرکوں کے درمیان محاذ آرائی ہوئی۔ خونیں معرکہ کئی دنوں تک شب وروز جاری رہا۔ دوران جنگ عیدالفطر کا دن تھا۔ مسلم لشکر اور مجاہدین نماز میں مشغول ہوئے۔ آپ بھی نماز عید میں دیگر مجاہدین کے ہمراہ شامل نماز تھے کہ اچانک لشکر کفار حملہ آور ہوئے اور حالات نماز میں دشمنوں نے شاہی لشکریوں اور مجاہدین کو بے دریغ قتل کرنا شروع کردیا۔ بہت سارے لشکری مسلمان اور مجاہدین شہید ہوگئے۔ آپ نے بھی درون عیدگاہ حالت نماز میں اسی حملے میں جام شہادت نوش کیا۔ عیدگاہ کے نزدیک ایک حوض تھا اسی حوض کے کنارے آپ کا حجرہ تھا۔ آپ کو درون حجرہ الگ سے دفن کیا گیا۔ آج بھی آپ کی تربت مبارک موجود اور مرجع عام ہے۔ (مرآۃ الاسرار جلد سوم ص 673)

8- اورنگ زیب عالمگیر کے دور عہد سن 1142ھ میں صوبہ دکن پر تعینات شاہی لشکر کے ہزارہ دستے کے سالار اعلیٰ حضرت خواجہ فخرالدین چشتی المروف مجدد چشت خواجہ فخر دہلوی علیہ الرحمہ دکن کی متعدد معرکہ آرائی میں شامل جنگ اور فتح یاب رہے۔ دوران معرکہ قدرتی طور پر خوارق کرامات کے ظاہر ہوجانے کے سبب لشکریوں میں آپ کی ایک انفرادی شہرت عام ہوئی تو بطور اجتناب آپ نے لشکر سے کنارہ کشی اختیار کیا۔ غلبہ روحانی کے مطلوبہ تقاضوں کے تحت رشد وہدایت اور خاندانی جانشینی کی طرف راغب ہوئے۔ مسند درس سے وہ مثالی کارنامہ انجام دیا کہ تاریخ کے صفحات پر مجدد چشت کی حیثیت سے درج کئے گئے۔ درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے احاطہ میں آسودہ خواب ہیں۔ دور حاضر میں آپ کی نسبی اولادیں پرانی دہلی کے ترکمان گیٹ کے علاقے میں موجود ہیں۔ آپ کے یادگار زمانہ آثار وتبرکات موجودہ خاندان والوں کی اختصاصی اہمیت وشناخت کا باعث ہے۔ آپ کے دامن طریقت سے سلطنت مغلیہ کے آخری دور کے متعدد تاجدار سلطنت مع بہادر شاہ ظفر بیعت وارادات سے شرف یاب تھے۔ مرزا غالب دہلوی کو آپ کے پوتے حضرت خواجہ نصیرالدین چشتی فخری سے بیعت طریقت حاصل تھی۔ (فخر الطالبین قلمی ص 112، مناقب فخریہ فارسی قلمی ص 10، سوانح خواجگان چشت ص 413)

یہ وہ چند صوفیاء کرام ہیں جنہوں نے عبادت وریاضت کے ساتھ جنگی مہمات میں بھی شرکت کری۔

میدان جنگ میں محسن انسانیت کی انسانیت نوازی

مولانا عبد العلیم خطیب ندوی

ظلم وزیادتی کے خلاف جنگ ایک فطری ضرورت ہے، اس کے بغیر دنیا میں امن وسکون کی زندگی کا تصور سراب سے زیادہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ کے فلسفے اور اس کی حکمت کو مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے: ''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹا تا رہتا تو تمام خانقاہیں، گرجے، کنیسے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے ڈھائے جا چکے ہوتے''۔ (سورۃ الحج:40)

مطلقاً عدم تشدد کا فلسفہ غیر فطری اور خلاف عقل ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، ظالموں کا مقابلہ کرنا، ظلم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا ہی حقیقی مصلحت اور انسانیت پر احسان عظیم ہے، اسی لیے انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے، وہ ظالم ہو یا مظلوم'' صحابہ نے عرض کیا حضرت! مظلوم کی مدد کا مسئلہ تو قرین قیاس ہے، مگر یہ ظالم کی مدد والی بات سمجھ میں نہیں آتی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو اس کے ظلم سے روکا جائے''۔ (بخاری:2444) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں آدمی درندہ بن جائے اور انسانیت کی چادر اتار کر پھینک دے، جیسا کہ آج کل ترقی یافتہ اور مہذب قوموں نے اپنا شعار بنا رکھا ہے، دیکھئے کیا فرماتے ہیں رحمت کے پیغامبر اپنے کمانڈروں کو نصیحت کرتے ہوئے۔

''کوئی بوڑھا، کوئی بچہ اور کوئی عورت قتل نہ کیا جائے۔ لڑائی سے دور رہنے والی شہری آبادی کو کچھ نہ کیا جائے۔ عبادت گاہوں میں عابد کو نہ چھیڑا جائے، عہد شکنی نہ کی جائے، کسی بے گناہ کو نہ مارا جائے، بدکاری نہ کی جائے، نماز روزوں کی پابندی کی جائے۔ کسی مذہب میں مداخلت نہ ہو، جنگ میں کسی کی ناک، کان اور اعضاء نہ کاٹے جائیں، کسی مقتول کی توہین نہ ہو، قتل کے لیے ذلیل اور تکلیف دہ طریقے اختیار نہ کئے جائیں، دشمن کی لاشوں کو بھی دفن کیا جائے، ان کے مریضوں کا علاج کیا جائے، عین حالت جنگ میں جو امان مانگے، اس کو امان دے دو، بلکہ اگر ایک مسلمان جس کو امان دیدے اس کی پابندی تمام مسلمانوں کو کرنی پڑے گی، اس شخص کو کوئی مسلمان قتل نہیں کرسکتا، رات کو حملہ نہ کیا جائے، صلح کی درخواست قبول کرلی جائے، قیدیوں سے بہترین سلوک کیا جائے''۔ (جنگ سیرت کی روشنی میں ص 22) ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا: غداری نہ کرنا، مال غنیمت میں چوری نہ کرنا، ......کسی کھجور کو ہاتھ نہ لگانا، کسی درخت کو نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو نہ گرانا''۔ (موطا کتاب الجہاد باب 3 / رقم 10)

8ھ میں مسلمانوں کی فوج طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے، قلعہ نہیں فتح ہوتا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پرجوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بددعاء کرنے کی درخواست کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں؟ ''خداوندا! طائف کو ہدایت دے اور اس کو اسلام کے آستانہ پر جھکا''۔ (سریت ابن کثیر 408/4) احد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرغۂ اعداء میں ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہورہے ہیں۔ دندان مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی کڑیا سر مبارک میں گڑ جاتی ہے، چہرۂ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے، اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں، ''وہ قوم کیسے نجات پائیگی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے، خداوندا! میری قوم کو ہدایت دے وہ جانتی نہیں ہے''۔ (مسلم:4646)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اسیروں کو رہائی دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور بیماروں کی خبر گیری کرو'' (بخاری:3046) دوسری جگہ قیدیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ''ان سے اچھا معاملہ کرنا'' ابوعزیر (حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی) ایک صحابی ہیں وہ خود اپنے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ''جب مجھے بدر سے قیدی بنا کر لائے تو مجھے ایک انصار کے خاندان کے حوالے کیا گیا، وہ دونوں وقت اپنے کھانوں میں سے روٹی تو مجھے دیتے اور خود کھجوروں پر اکتفا کرتے ''یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی نصیحت کا اثر تھا، وہ مزید فرماتے ہیں کہ کسی کو کہیں سے روٹی کا ایک ٹکرا بھی مل جاتا تو مجھے لاکر دیتا مجھے شرم محسوس ہوتی اور میں اسے لوٹا دیتا، لیکن وہ زبردستی مجھے دیتا اور خود اسے ہاتھ نہ لگاتا۔ (سیرت ابن کثیر 485/2) جب قیدی اسیر ہوکر آتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ان کے لباس کی فکر کیا کرتے تھے''۔ (بخاری:3008)

جب مکہ فتح ہوا تو حرم کے صحن میں قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے ان میں وہ بھی تھے، جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزوں کا خونِ ناحق کیا تھا، آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے، پیچھے دس ہزار (10000) تلواریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارے کی منتظر تھیں۔ دفعتاً زبانِ مبارک کھلتی ہے، سوال ہوتا ہے قریش بتاؤ، میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ جواب ملتا ہے ''محمد! تم ہمارے شریف بھائی ہو اور شریف بھتیجے ہو'' ارشاد ہوتا ہے ''آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا۔ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو'' (زاد المعاد 222/2)

غزوہ خیبر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا، اس میں توریت کے متعدد نسخے تھے، یہودیوں نے درخواست کی کہ وہ ان کو عطا کردیے جائیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ سب صحیفے ان کے حوالے کردیے جائیں۔ ایک یہودی فاضل اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس واقعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان مذہبی صحیفوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کس درجہ احترام تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رواداری اور فراخدلی کا یہودیوں پر بڑا اثر پڑا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقدس صحیفوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا جن سے ان کی بے حرمتی لازم آتی ہو، اس کے مقابلہ میں ان کو یہ واقعہ بھی خوب یاد ہے کہ جب رومیوں نے یروشلم کو 70 قبل مسیح میں فتح کیا تو انہوں نے ان مقدس صحیفوں کو آگ لگادی اور ان کو اپنے پاؤں سے روندا، اسی طرح متعصب نصرانیوں نے اندلس میں یہودیوں پر مظالم کے دوران توریت کے صحیفے نذر آتش کئے، یہ وہ عظیم فرق ہے جو ان فاتحین اور اسلام کے نبی کے درمیان ہمیں نظر آتا ہے''۔ (از تاریخ الیہود فی بلاد العرب ص 170)

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لشکر کو ہدایت فرمائی کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت صرف اس شخص پر ہاتھ اٹھائیں جو ان کی راہ میں حائل ہو اور ان کی مزاحمت کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی حکم فرمایا کہ اہل مکہ کی منقولہ وغیر منقولہ جائداد کے معاملے میں مکمل احتیاط برتی جائے اور اس میں مطلق دست درازی نہ کی جائے''۔ (سیرت ابن ہشام 409/2)

طائف کی جنگ میں جب محاصرہ اور جنگ نے طول کھینچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے انگور کے باغات کاٹ ڈالنے کا حکم دیا، انہی باغات پر ان کی معیشت کا سارا دارومدار تھا، لوگوں نے ان کو کاٹنا شروع کیا، تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اللہ کے لئے اور رشتہ کا خیال کرکے ان باغات کو چھوڑ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں اس کو اللہ کے لئے اور رشتہ کی بنیاد پر چھوڑتا ہوں، پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منادی کروادی کہ جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے، یہ پکار سن کر دس سے کچھ اوپر آدمی نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آزاد فرمایا، اور ہر آدمی کو ایک مسلمان کے حوالہ کیا اور اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری اس پر ڈال دی''۔ (زاد المعاد 457/1) جنگ حنین کے بعد قبیلۂ ہوازن کا ایک وفد چودہ آدمیوں پر مشتمل خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ ہمارے ان قیدیوں اور مال واسباب کو ہمارے حوالے کردیں تو ہم پر بڑا احسان ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''تم دیکھ رہے ہو، میرے ساتھ کون کون ہیں؟ مجھے سچی بات سب سے زیادہ پسند ہے، اب یہ بتاؤ تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں زیادہ محبوب ہیں یا تمہارا مال واسباب؟ وہ جواب دیتے ہیں ہم اپنی اولاد کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، ارشاد ہوتا ہے ''کل صبح کی نماز کے بعد مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہوکر یہ کہنا ''ہم مسلمانوں کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بناتے ہیں۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمانوں کو سفارشی بنا کر پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ ہمارے غلام باندی واپس فرمادیں۔

دوسرے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہیں، تو یہ لوگ کھڑے ہوکر یہی عرض کرتے ہیں، زبانِ نبوت گویا ہوتی ہے ''میرے حصے اور بنی عبد المطلب کے حصہ میں جو کچھ ہے وہ تمہارے حوالہ ہے اور دوسرے لوگوں سے تمہارے لیے میں سفارش کرتا ہوں، اس پر مہاجرین وانصار کہہ اٹھتے ہیں ''ہمارے حصہ کا جو کچھ ہے، وہ سب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہے'' غرض اس حکیمانہ ترکیب سے ان کی عورتوں اور بچوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حوالے کردیتے ہیں اور ہر قیدی کو پوشاک بھی مرحمت فرمادیتے ہیں۔ (زاد المعاد 449/1) یہ تھے میدان جنگ کے چند منتخب نمونے۔

حجاب کیس میں جسٹس دھولیا کا نقطۂ نظر دستور ہند کے مطابق: جنرل سکریٹری بورڈ

حکومت کرناٹک سے اپنا حکم واپس لینے کی اپیل: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اسکولوں میں لڑکیوں کے حجاب استعمال کرنے کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کے دو رکنی بنچ کے فیصلہ پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جسٹس دھولیا کا فیصلہ دستور ہند اور شخصی آزادی کے تقاضوں کے مطابق ہے، اور انھوں نے لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینے اور اس میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنے پر توجہ دی ہے، جو یقیناً ایک خوش آئند بات ہے، جسٹس ہیمنت گپتا کے فیصلہ میں یہ پہلو اوجھل ہوگیا ہے؛ اس لئے حکومت کرناٹک سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ حجاب کے سلسلہ میں اپنے حکم کو واپس لے لے، اگر حکومت کرناٹک اپنے آرڈر کو واپس لے لے تو یہ مسئلہ ختم ہوجائے گا، حکومت کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ہندوستان میں اور بالخصوص مسلمانوں میں خواتین کی تعلیم کی طرف پہلے ہی سے کم توجہ دی جارہی ہے؛ اس لئے حکومت کو کسی ایسے اقدام کی تائید نہیں کرنی چاہیے، جس سے لڑکیوں کی تعلیم میں رکاوٹ پیدا ہو، اور جو بات ان کو پسند نہ ہو اور دوسروں کا بھی اس میں نقصان نہ ہو، وہ عمل ان پر زبردستی تھوپا جائے، ججوں کی منقسم رائے کی وجہ سے اب یہ معاملہ وسیع تر بینچ کے حوالہ ہوگا، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اب تک کرناٹک ہائی کورٹ میں حجاب کے حق میں اٹھنے والے فریق کی مدد کرتا رہا ہے اور جب یہ معاملہ سپریم کورٹ پہنچا تو خود مسلم پرسنل لا بورڈ اس میں فریق بنا اور پوری تیاری کے ساتھ بہتر طور پر اپنے موقف کو پیش کیا ہے اور آئندہ بھی اپنے موقف کو پیش کرے گا۔

بے دینی کے سیلاب میں ہم کیا کریں

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

’’اس وقت بے دینی کا سیلاب بڑھتا جارہاہے ،لوگوں کو دین وایمان سے کوئی واسطہ نہیں رہا،مکروفریب کا بازارگرم ہے،عریانی وبے حیائی کی انتہاء ہوچکی ہے‘‘۔اس قسم کے جملے ہیں جو ہم دن رات اپنی مجلسوں میں کہتے اور سنتے رہتے ہیں اور بلاشبہ یہ تمام باتیں سچی بھی ہیں، ہرسال کا موازنہ پچھلے سال سے کیجئے،تو دینی اعتبار سے انحطاط نمایاں نظر آتا ہے،لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم اپنی مجلسوں میں ان باتوں کا تذکرہ اس لئے نہیں کرتے کہ ہمیں اس صورتحال پر کوئی تشویش ہے اور ہم اسے بدلنا چاہتے ہیں بلکہ یہ تذکرہ محض برائے تذکرہ ہوکر رہ گیا ہے،اور یہ بھی ایک فیشن سا بن چکاہے کہ جب کوئی بات نکلے تو زمانہ اور زمانے کے لوگوں پر دوچار فقرے چلتے کرکے ان کی حالت پر محض زبانی اظہار افسوس کردیا جائے۔لیکن یہ صورتحال کیوں پیدا ہوئی ہے؟ اور اسے بدلنے کے لئے ہم کیا کرسکتے ہیں؟ یہ سوالات ہم میں سے اکثر لوگوں کی سوچ سے یکسر خارج ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ زمانے کے بارے میں اس قسم کی باتیں پوری بے پرواہی سے کہہ کر نہ صرف خاموش ہوجاتے ہیں، بلکہ خود بھی ان لوگوں کے پیچھے ہولیتے ہیں جنہیں مختلف صلواتیں سناکر فارغ ہوئے ہیں۔اوراگر آپ کو واقعتاً ان حالات پر تشویش ہے اور آپ دل سے چاہتے ہیں کہ ان کا سدباب ہو، تو پھر صرف دوچار جملے زبان سے کہہ کر فارغ ہوجانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟فرض کیجئے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ہولناک آگ بھڑک رہی ہو اور ہم یقین سے جانتے ہوں کہ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ پورے خاندان اور پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی تو کیا پھر بھی ہمارا طرز عمل یہی ہوگا کہ اطمینان سے بیٹھ کر صرف اظہار افسوس کرتے رہیں اور ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش نہ کریں؟اگر ذہن ودماغ عقل وہوش سے بالکل ہی خالی نہیں ہیں تو ہم آگ کے بڑھنے پھیلنے کا تذکرہ اس بے پرواہی سے نہیں کرسکتے،ایسے موقع پر بے وقوف سے بے وقوف شخص بھی آگ کا قصہ لوگوں کوسنانے سے قبل فائر بریگیڈ کو فون کرے گا۔اور جب تک وہ نہ پہنچے خود آگ پر پانی یا مٹی ڈالے گا اور دوسروں کو بھی اس کام میں شریک ہونے کی دعوت دے گا اگر اس پر قابو پانا ممکن نہ ہو تو ایسی چیزیں آس پاس سے ہٹالیگا جن کو آگ پکڑ سکتی ہو، پھر بھی آگ بڑھتی نظر آئے تو لوگوں کی جان بچانے کے لئے انہیں دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوشش کرے گا اور کسی کو وہاں سے ہٹا نہ سکے تو اپنے بچوں اور گھروالوں کو وہاں سے اٹھالے جائے گا اور اتنی بھی مہلت نہ ہو تو کم ازکم خود تو بھاگ ہی کھڑا ہوگا،لیکن یہ بات کسی انسان سے ممکن نہیں ہے کہ آگ لگنے پر زبانی اظہار افسوس کرکے بدستور اپنے کام میں منہمک ہوجائے، یا یہ سوچ کر کہ آگ بیشمار انسانوں کو نگل چکی ہے خود بھی اس میں کود پڑے یہ تو انسان کی فطرت ہے کہ آگ خواہ کتنی ہی تیز رفتار ہو اور اسے یقین ہو کہ میں اس سے بچ کر نہیں جاسکتا تب بھی جب تک اس کے دم میں دم ہے، وہ اس کے آگے بھاگتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ خود ہی آکر اسے دبوچ نہ لے۔سوال یہ ہے کہ اگر واقعتاً ہمارے اردگرد بے دینی اور خدا کی نافرمانی کی آگ بھڑک رہی ہے،اور ہم اپنے گھروں،اپنے خاندانوں اور اپنے بیوی بچوں پر اس کی آنچ محسوس کررہے ہیں تو پھر ہم اس آگ کا محض تذکرہ کرکے چپ ہورہتے ہیں؟ بلکہ اس آگ پر کچھ مزید تیل چھڑکنے کی جرأت ہمیں کیسے ہوجاتی ہے؟ ہم اگر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں تو ہمارا طرز عمل اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم اپنے زمانے اور اپنے زمانے کی ساری برائیوں کا تذکرہ تو اس انداز سے کرتے ہیں جیسے ہم ان تمام برائیوں سے معصوم اور محفوظ ہیں،لیکن اس تذکرے کے بعد جب عملی زندگی میں پہنچتے ہیں تو صبح سے لے کر شام تک ہم خود ان تمام کاموں کا جان بوجھ کر ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں، جن کی قباحتیں بیان کرنے میں ہم نے اپنے زور بیان کی ساری صلاحیتیں صرف کردی تھیں، اور جب اس طرز عمل پر کوئی تنبیہ کرتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا بے دینی کی آگ میں جل رہی ہے تو ہم اس سے کس طرح بچیں؟ لیکن کیا اس طرز فکر میں ہماری مثال بالکل اس شخص کی سی نہیں ہے جو آگ بھڑکتی دیکھ کر اس سے بھاگنے کے بجائے خود جان بوجھ کر اس میں کودجائے؟ سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے بے دینی کی اس آگ کو بجھانے یا لوگوں کو اس سے بچانے کی کوئی ادنیٰ کوشش کی؟ اور لوگوں کو بھی چھوڑئیے، کیا کبھی اپنے گھر، بیوی بچوں، اپنے اہل خاندان اور اپنے دوست احباب ہی کو ایسی ہمدردی اور لگن سے دین پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی جس ہمدردی سے ان کو آگ سے بچایا جاتا ہے؟ کیا کبھی ان کو دینی فرائض کی اہمیت سے آگاہ کیا؟ کیا کبھی انہیں گناہوں کی حقیقت سمجھائی؟ کیا کبھی ان کی توجہ مرنے کے بعد والے حالات کی طرف مبذول کرائی؟ کیا ان میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا کرنے کے لئے کوئی اقدام کیا؟ اور گھروالوں کا معاملہ بھی پھر بعد کا ہے، کیا خود اپنے آپ کو بے دینی کی آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے کچھ ہاتھ پاؤں ہلائے؟ اپنی حدتک دینی فرائض کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کا کوئی اہتمام کیا؟ اگر تمام احکام پر عمل کرنے میں مشقت معلوم ہوتی ہے تو اپنے عمل میں جو کم سے کم تبدیلی پیدا کی جاسکتی تھی، کیا اس پر کبھی عمل کیا؟ سینکڑوں گناہوں میں سے کوئی ایک گناہ خدا کے خوف سے چھوڑا؟ بیسیوں فرائض میں سے کسی ایک فریضے کی پابندی شروع کی؟ اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے،تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم خود اندر سے اس آگ کو بجھانا ہی نہیں چاہتے، اور دنیا میں پھیلی ہوئی بے دینی کا شکوہ محض بہانہ ہے، پھر تو حقیقت یہ ہے کہ نہ تو زمانے کا کوئی قصور ہے، نہ دوسرے اہل زمانہ کا،قصور سارا ہماری اس نفسیات کا ہے جو خود بے دینی کی راہ اختیار کرکے اس کا سارا الزام زمانے کے سر ڈالنا چاہتی ہے۔اس سلسلے میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم زمانے کے طرز عمل پر محض زبانی اظہار افسوس کے بجائے اپنی مقدور حدتک اس کی اصلاح کی کوشش کریں، اللہ نے ہر انسان کو اس کے حالات کے مطابق ایک دائرہ اختیار دیا ہے جس میں اس کی بات سنی اور مانی جاتی ہے لہٰذا ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں حکمت اور ہمدردی کے ساتھ دین کی تبلیغ کرے اور جو لوگ اللہ کی نافرمانی کے راستے پر گامزن ہیں انہیں انتہائی دلسوزی کے ساتھ اس راستہ سے باز رہنے کی تلقین کرتا رہے۔ماننا نہ ماننا تو ان لوگوں کا کام ہے)اور تجربہ یہ ہے کہ اگر حکمت اور ہمدردی سے کوئی بات کہی جائے تو وہ کبھی بے نتیجہ نہیں ہوتی (لیکن اگر اسی فریضہ سے غفلت برتی جائے تو وہ آخرت میں قابل مواخذہ ہے اسی حقیقت کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے!’’تم میں سے ہر ایک بااختیار نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی زیر اختیار رعیت کے بارے میں سوال ہوگا‘‘۔اور بھی کچھ نہ ہو تو انسان کو اپنے گھروالوں اور بیوی بچوں پر کسی نہ کسی حدتک اختیار حاصل ہوتا ہے،لہٰذا اس کا فرض ہے کہ اگر وہ ان کو خدا کی نافرمانی میں مبتلا دیکھے تو اسی حکمت اور شفقت سے انہیں باز رکھنے کی کوشش کرے جس طرح ان کو آگ سے بچایا جاتا ہے۔قرآن کریم کا ارشاد ہے: ’’اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھروالوں کو آگ سے بچاؤ‘‘۔تجربہ یہ ہے کہ حق بات اگر حق طریقے سے متواتر کہی جاتی رہے تو وہ کبھی نہ کبھی رنگ لاکر رہتی ہے اور اگر آپ اپنے گھروالوں میں کسی ایک شخص کو بھی کسی ایک گناہ سے باز رکھنے یا کسی ایک دینی فریضے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ دنیا وآخرت دونوں کی عظیم کامیابی ہے،حدیث میں ہے کہ:’’اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بڑی نعمت ہے‘‘۔لیکن خرابی کی جڑ درحقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے گھروالوں، اپنے بیوی بچوں، اور اپنے عزیز دوستوں کو کھلی آنکھوں گناہوں کا ارتکاب کرتے دیکھتے ہیں،تو انہیں راہ راست پر لانے کی تدبیریں سوچنے کے بجائے پہلے ہی قدم پر یہ کہہ کر مایوس ہوجاتے ہیں کہ نافرمانیوں کے اس طوفان میں ہدایت کی بات کون سنے گا؟ حالانکہ اگر ذرا ہمت کرکے انہیں سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی تدبیر کی جائے اور نتائج سے بے پرواہو کر یہ سلسلہ جاری رکھا جائے تو کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو؟ یہ تو قرآن کریم کا وعدہ ہے کہ:’’اور نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ) ضرور (پہنچاتی ہے‘‘۔اور اگر بالفرض اصلاح کی ساری تدبیریں ناکام ہوجائیں اور کوئی شخص ہماری بات نہ سنے تو ہر شخص کو کم ازکم اپنے آپ پر تو اختیار حاصل ہے اور اگر وہ سچے دل سے چاہے تو کم ازکم اپنی زندگی میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرسکتا ہے،لیکن یہاں بھی ہمارا یہی نفسانی بہانہ آڑے آتا ہے کہ جب ساری دنیا بے دینی کے راستہ پر دوڑی جارہی ہے تو ہم اس سے کٹ کر اپنے آپ کو کیسے اس کے اثرات سے بچائیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم نے دین پر عمل کرنے کے لئے اپنی ساری توانائی ساری کوششیں اور ساری تدبیریں صرف کرلی ہوتیں اور اس کے بعد ہم پر یہ ثابت ہوتا کہ معاذ اللہ دین پر عمل اس دور میں ناممکن ہے تب تو کسی درجہ میں ہمارا یہ عذر قابل سماعت ہوسکتا تھا لیکن ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ اپنی ساری توانائی خرچ کرنا تو درکنار کیا کبھی ہم نے اس راہ میں کوئی ادنیٰ کوشش بھی کی؟ اگر ’’زمانے کی خرابی‘‘ کا شکوہ محض ایک بہانہ ہی نہیں ہے تو براہِ کرم اپنے اعمال وافعال سے اپنے اخلاق وکردار کا ذرا ایک جائزہ تو لیکر دیکھئے کہ ان میں کتنے کام اللہ کی مرضی اور اس کے احکام کے خلاف ہم سے سرزد ہورہے ہیں؟ پھر ذرا انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لے کر یہ سوچئے کہ ان میں سے کتنے کام آسانی سے چھوڑے جاسکتے ہیں؟ کتنے کاموں کے چھوڑنے میں قدرے دشواری ہے؟ اور کتنے کاموں کا چھوڑنا بہت مشکل نظر آتا ہے؟ پھر جو کام آسانی سے چھوڑے جاسکتے ہیں، کم ازکم انہیں تو فوراً چھوڑ دیجئے اور جن چیزوں کے چھوڑنے میں کچھ دشواری ہے، انہیں رفتہ رفتہ چھوڑنے کی تدبیریں تو سوچئے،اور جو کام بالکل نہیں چھوٹتے، ان پر کم ازکم اللہ تعالیٰ سے استغفار تو کیا ہی جاسکتا ہے۔نیز یہ دعا تو آپ کرہی سکتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں ان گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔اگر اس تدبیر پر عمل کیا جاتا رہے،تو یہ ناممکن نہیں کہ رفتہ رفتہ انسان کے اعمال بد میں نمایاں کمی نہ آتی چلی جائے مثلاً کوئی شخص بیک وقت سودخوری، مکروفریب، جھوٹ، غیبت، بدنگاہی، بدزبانی اور اس طرح کے سو گناہوں کو بیک وقت نہیں چھوڑ سکتا،لیکن کیا یہ بات اس کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ ان گناہوں میں سے کسی ایک آسان چیز کا انتخاب کرکے اسے چھوڑنے کا عزم کرلے اور باقی پر استغفار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ان سے نجات کی دعا کرتا رہے؟ اگر وہ دن بھر میں پچاس جگہوں پر جھوٹ بولتا ہے تو آئندہ کم ازکم دس مقامات پر جھوٹ چھوڑ دے، اگر روزانہ پانچ سو روپے ناجائز طریقوں سے حاصل کرتا ہے تو ان میں سے جتنے کم سے کم آسانی سے چھوڑ سکتا ہو کم ازکم انہیں چھوڑ دے اگر دن بھر میں کبھی ایک نماز نہیں پڑھتا تو پانچوں اوقات میں سے جو وقت آسان تر معلوم ہو کم ازکم اس میں نماز شروع کردے اور باقی کے لئے دعا واستغفار کرتا رہے۔مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھڑکی ہوئی آگ سے بھاگتے وقت انسان یہ نہیں دیکھتا کہ بھاگ کر میں کتنی دور جاسکوں گا؟ بلکہ وہ بے ساختہ بھاگ ہی پڑتا ہے۔اور اگر آگ اسے دبوچ ہی لے تو جب تک اس کے دم میں دم ہے وہ جسم کے جتنے زیادہ سے زیادہ حصے کو اس سے بچا سکتا ہے، بچاتا ہی رہتا ہے،اسی طرح دین کے معاملے میں بھی فکر یہ ہونی چاہیئے کہ جس گناہ سے جس قدر بچ سکتا ہوں بچ جاؤں اور جس نیکی کی توفیق جس وقت مل رہی ہے کر گزروں، اگر ہم اور آپ اس طرز پر عمل پیرا ہوجائیں تو انشاء اللہ ایک نہ ایک دن اس آگ سے نجات مل کر رہے گی، لیکن ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اس آگ کو زبانی صلواتیں ہی سناتے رہیں تو پھر اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔یہ ہرگز نہ سوچیئے کہ کروڑوں بدعمل انسانوں کے انبوہ میں کوئی ایک شخص سدھر گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ یہ ہزارہا گناہوں میں سے ایک گناہ کی کمی واقع ہوگئی تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یاد رکھئے کہ اطاعتِ خداوندی ایک نور ہے اور نور کتنا ہی مدہم اور اس کے مقابلے میں تاریکی کتنی گھٹاٹوپ ہو لیکن وہ بے فائدہ کبھی نہیں ہوتا، اگر آپ ایک ظلمت کدے میں ایک دم سرچ لائٹ روشن نہیں کرسکتے تو ایک چھوٹا سا چراغ ضرور جلا سکتے ہیں، اور بعید نہیں کہ اس چھوٹے سے چراغ کی روشنی میں آپ وہ سوئچ تلاش کرلیں جس سے سرچ لائٹ روشن ہوتی ہے اس کے برعکس جو شخص سرچ لائٹ سے مایوس ہوکر چھوٹا سا دیا بھی نہ جلائے اس کی قسمت میں ابدی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو بالکل تنہا ہوتے ہیں، اور ان کے چاروں طرف گمراہی کا اندھیرا چھایا ہوا ہوتا ہے،لیکن اسی اندھیرے میں وہ ہدایت کا چراغ جلاتے ہیں، پھر چراغ سے چراغ جلتا ہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ تاریکیاں کافور ہوجاتی ہیں اور اجالا پھیل جاتا ہے۔لہٰذا خدا کے لئے اپنی مجلسوں میں یہ مایوسی کے جملے بولنا چھوڑئیے کہ’’بے دینی کا سیلاب ناقابل تسخیر ہوچکا ہے‘‘اس کے بجائے اس سیلاب کو روکنے اور اس سے بچنے کے لئے جو کچھ آپ کرسکتے ہیں، کرگزرئیے،کوئی بڑی خدمت اگر بن نہیں پڑتی تو جو چھوٹی سے چھوٹی نیکی آپ کے بس میں ہے اس سے دریغ نہ کیجئے اور باقی کے لئے کوشش اور دعا سے ہمت نہ ہارئیے،قوم اور ملک افراد ہی کے مجموعے کا نام ہے اور اگر ہر فرد اپنی جگہ یہ طرز عمل اختیار کرلے تو بہت سے چھوٹے چھوٹے چراغ مل کر سرچ لائٹ کی کمی یوں بھی ایک حدتک پوری کردیتے ہیں، اور پھر عادت اللہ یوں ہے کہ جس قوم کے افراد اپنے آپ کو مقدور بھر بدلنے کا عزم کرلیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمایت ونصرت ان کے شامل حال ہوجاتی ہے،اور اللہ تعالیٰ اس میں سدھار پیدا کرہی دیتا ہے،قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:’’اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے‘‘۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں مایوسی کے عذاب سے بچاکر اپنی حقیقی اصلاح کی طرف متوجہ فرمائے اور زمانے کے طوفانوں سے مرعوب ہونے کے بجائے ہمیں ان کے مقابلے کا حوصلہ اور اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

اخبارِ جہاں

محمد عادل فریدی

افغانستان ایشیا میں سب سے بڑا سیکورٹی چیلنج: پوتن

روسی صدر ولادیمیر پوتن نے قزاقستان میں جاری چھٹے سی آئی سی اے چوٹی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے افغانستان کو ایشیا میں سب سے بڑے سیکورٹی چیلنجوں میں سے ایک قرار دیا۔ پوتن نے شنگھائی تعاون تنظیم اور اس کے علاقائی دہشت گرد مخالف یونٹوں کے وسائل کا استعمال کر کے افغانستان میں حالات مستحکم کرنے پر زور دیا۔ پوتن نے سبھی ایشیائی ممالک کو بین الاقوامی کاونٹر ٹیررسٹ ڈیٹا بینک کے ساتھ شامل ہونے کے لیے مدعو کیا ہے۔ چوٹی کانفرنس کے دوران پوتن نے امریکہ پر بھی جم کر تنقید کی۔ انہوں نے افغان سے امریکی فوج کی واپسی اور ملک کے اقتدار پر طالبان کے قبضے کو لے کر طنز کیا۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں امریکہ اور ناٹو کی موجودگی کے 20 سال بعد بھی ملک آزادانہ طور پر دہشت گردی کے خطرے سے نمٹنے کے قابل نہیں ہے۔ یہاں اب بھی دھماکے ہو رہے ہیں۔ پوتن نے افغانستان میں امریکہ اور نیٹو کی موجودگی کو ناکام پالیسی قرار دیا۔ (نیوز۔۱۸)

ترکی میں میڈیا سے متعلق نیا قانون، ''غلط معلومات'' پر جیل کی سزا

ترکی کی پارلیمنٹ نے جمعرات کے روز صدر رجب طیب اردوغان کی طرف سے تجویز کردہ وہ قانون منظور کر لیا ہے، جس کے تحت صحافیوں اور سوشل میڈیا استعمال کرنے والوں کو ''غلط معلومات'' پھیلانے پر تین برس تک قید کی سزا ہو سکے گی۔ یورپی کونسل نے اس پر اپنے ردعمل میں کہا ہے کہ اس میں ''غلط معلومات'' کی مبہم تعریف اور پھر جیل جانے کا خطرہ، جون 2023 میں ہونے والے انتخابات کے پیش نظر کافی پریشان کن اثرات کا باعث بننے کے ساتھ ہی سیلف سنسر شپ میں بھی اضافہ کر سکتا ہے۔ قانون کی دفعہ 29 آزادی اظہار کے تعلق سے سب سے زیادہ تشویش کا باعث ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ خوف پیدا کرنے اور امن عامہ کو خراب کرنے کے مقصد سے ترکی کی سکیورٹی کے بارے میں آن لائن غلط معلومات پھیلائیں گے، انہیں ایک سے تین برس تک قید کی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حزب اختلاف کی مرکزی جماعت ریپبلکن پیپلز پارٹی (سی ایچ پی) نے اس قانون پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ لیکن صدر اردوغان کی حکمران جماعت اے کے پی نے کہا ہے کہ سوشل میڈیا پر غلط معلومات اور جھوٹے الزامات کو روکنے کے لیے قوانین کی ضرورت ہے۔ اس کے مطابق یہ قانون اپوزیشن کو خاموش کرنے کے لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ اسی دوران صدر اردوغان نے یہ بحث بھی شروع کر دی کہ ترکی کا انتہائی منقسم معاشرہ خاص طور پر جعلی اور گمراہ کن خبروں کا شکار ہے۔ گزشتہ دسمبر میں انہوں نے کہا تھا کہ سوشل میڈیا آج کی جمہوریت کے لیے ایک اہم خطرہ بن گیا ہے۔ ''رپورٹرز ود آؤٹ بارڈرز'' (آر ایس ایف) نے رواں برس کے اوائل میں جاری کردہ اپنی سالانہ میڈیا فریڈم انڈیکس میں ترکی کو 180 ممالک میں سے 149 ویں نمبر پر رکھا تھا۔ ایک غیر سرکاری تنظیم ''کمیٹی ٹو پروٹیکٹ جرنلسٹس'' کے سالانہ اعداد و شمار کے مطابق ملک میں ناکام بغاوت کے بعد کئی برسوں تک سب سے زیادہ ترکی صحافیوں کی جیل جانا پڑا۔ حالانکہ اس زمرے میں 2021 میں درجہ بندی میں ترکی آخری چھٹے نمبر پر آ گیا۔ (ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)

حرمین شریفین میں خواتین مشاورتی کونسل قائم کرنے کا فیصلہ

عرب میڈیا کے مطابق حرمین شریفین میں خواتین کی مشاورتی کونسل قائم کی جائے گی۔ یہ مشاورتی کونسل حرمین شریفین انتظامیہ کے سربراہ اعلی شیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس کی ہدایت پر قائم کی جا رہی ہے۔ خواتین مشاورتی کونسل قائم کرنے کا مقصد حرمین شریفین میں زائرین کی خدمت اور سہولتوں کی فراہمی میں یکسانیت لانا اور خواتین کو اس سلسلے میں بااختیار بنانا ہے۔ خواتین مشاورتی کونسل سے زائر خواتین کو جدید نظام کے تحت سہولیات کی فراہمی میں آسانی ہوگی اور کسی مشکل کی صورت میں رہنمائی اور مدد بھی فراہم کی جائے گی۔ (نیوز ایکسپریس)

سوئٹزرلینڈ میں برقعہ پہننے پر ایک ہزار ڈالر جرمانے کی تجویز

سوئس حکومت نے ایک قانونی مسودہ پارلیمنٹ کو ارسال کیا ہے، جس میں برقعہ پہننے پر ایک ہزار ڈالر جرمانہ عائد کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ گزشتہ برس چہرے کو ڈھانپنے سے متعلق ریفرنڈم ہوا تھا جس کے بعد قانونی مسودہ گزشتہ روز پارلیمنٹ میں ارسال کیا گیا، قانونی مسودہ کو ''برقع پر پابندی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ریفرنڈم میں 51.2 فیصد رائے کنندگان نے برقعہ پر پابندی کی حمایت کی تھی۔ (نیوز ایکسپریس)

نقیب کے خریداروں سے گذارش

☆ امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کا ہفت روزہ ترجمان اخبار ہر سموار کو طبع ہو کر پابندی کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور سموار و منگل دو دنوں کے اندر ڈاک کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، یہ تین چار دنوں میں خریداروں تک پہونچ جاتا ہے، اگر یہ اخبار آپ تک پابندی سے نہیں پہونچتا یا ڈاکیہ ٹال مٹول کرتا ہو تو آپ اس کی اطلاع مندرجہ ذیل نمبر پر فون کر کے دفتر کو دیں تاکہ متعلقہ افسران سے رابطہ کر کے اسے آپ تک پہونچانے کی حتمی صورت نکالی جا سکے۔

☆ اگر اوپر دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائیل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کر دیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168

Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233

رابطہ اور واٹس اَپ نمبر Mobile: 9576507798

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ نقیب کے آفیشل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(منیجر نقیب)

تعلیم و روزگار

بہار کے محکمہ سائنس و ٹکنالوجی کے ذریعہ 238 عہدوں پر بحالی کیلئے درخواست طلب

ڈاکٹر محمد نور اسلام، کنٹرولر آف اکزمینیشن، بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ نے اقلیتی طلبہ و طالبات بالخصوص مدارس سے فارغ فوقانیہ کی ڈگری رکھنے والے طلبہ و طالبات کو مطلع کیا ہے کہ ریاست بہار کے محکمہ سائنس و ٹکنالوجی نے اشتہار نمبر۔02/2022 کے ذریعہ دفتری (آفس اٹنڈنٹ) عہدوں کیلئے تقریباً 238 خالی عہدوں پر بحالی کیلئے اشتہار جاری کیا ہے۔ جس کیلئے آن لائن درخواست محکمہ سائنس و ٹکنالوجی کے ویب سائٹ۔ https://dst.bih.in پر 31 اکتوبر 2022 تک دے سکتے ہیں۔ فوقانیہ یا اس سے اوپر کی لیاقت رکھنے والے امیدوار بھی اس بحالی کیلئے درخواست دے سکتے ہیں لیکن عمر کی حد کم سے کم 18 سال اور زیادہ سے زیادہ 42 سال ہونی چاہئے، اس کے علاوہ عمر کے سلسلے میں ریاستی حکومت کے جو شرائط ہیں اس کے مطابق بھی رعایت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی درخواست دہندہ کو ریزرویشن کی سہولت بھی ریاستی حکومت کے شرائط کے مطابق حاصل ہوگا۔ ریزرویشن کا فائدہ حاصل کرنے کیلئے امیدوار کے پاس ریزرویشن سے متعلق کاغذات کا ہونا لازمی ہے اسے درخواست کے ساتھ ضرور منسلک کریں۔

مزید معلومات محکمہ کے ویب سائٹ https://state.bihar.gov..in/dst پر جا کر حاصل کر سکتے ہیں، اگر درخواست دینے میں کسی طرح کی دشواری درپیش ہو تو dstonline@bihar.gov.in پر دشواری سے متعلق ای میل کر سکتے ہیں۔ امیدوار کا انتخاب فوقانیہ میٹرک میں حاصل نمبرات کی بنیاد پر ہوگا۔ کاؤنسلنگ کیلئے عہدہ سے 3 گنا امیدوار کو بلایا جائے گا۔ کاؤنسلنگ میں کامیاب امیدوار کے دستاویزوں کی جانچ متعلقہ بورڈ سے کرائی جائے گی اس کے بعد میرٹ لسٹ تیار کر بحالی کی کاروائی مکمل کر لی جائے گی۔ تمام طلبہ اور طالبات بالخصوص اقلیت کے نوجوان و مدارس کے فارغین سے گذارش ہے کہ جو روزگار کی تلاش میں ہیں وہ مذکورہ بالا ملازمت کیلئے آن لائن درخواست لازمی طور پر دیں اور اس سنہرے موقع کا فائدہ حاصل کریں۔

قومی تعلیمی پالیسی: منظور شدہ عہدوں کے 10 فیصدی سے زیادہ نہیں ہوں گے پی او پی

قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے تحت اعلیٰ تعلیمی اداروں (ایچ ای آئی) میں مجموعی طور پر منظور شدہ تعلیمی عہدوں کے مقابلے میں 10 فیصدی تک پروفیسر آف پریکٹیس (پی او پی) کا تقرر کیا جا سکے گا۔ طلبہ کے پیشہ ور صلاحیت کو نکھارنے اور نہیں متعلقہ انڈسٹری یا پیشے کے مطابق ڈھالنے میں مدد کرنے والے ماہرین کی پی او پی کے طور پر تقرری بغیر پی ایچ ڈی، نیٹ یا مناسب تعلیم کے ہوگی۔ یو جی سی کے سکریٹری رجنیش جین نے ایک خط لکھ کر اداروں کو پی او پی کی تقرری سے متعلق گائیڈ لائنس سے آگاہ کیا ہے۔ جین نے کہا کہ اس طرح کی تقرریوں کو ادارے کے لیے منظور شدہ تعلیمی عہدوں سے الگ رکھا جائے گا۔ (نیوز۔۱۸)

مدرسہ اصلاح البنات مع ہوسٹل

مقام: سوبھن، ڈاکخانہ لال شاہ پور، ضلع دربھنگہ، (بہار) پن: ۸۴۶۰۰۵

Madrasa Islahul Banat With Hostel

At-Sobhan, P.o-Lal Shahpur, Distt-Darbhanga-846005

مدرسہ ہذا لڑکیوں کے لئے مشہور و معروف اقامتی ادارہ ہے جس میں درجۂ حفظ، قرأت، عالمہ کورس، وسطانیہ، فوقانیہ اور مولوی کی پڑھائی کے ساتھ عصری تعلیم، نرسنگ (پانی چڑھانا، بی پی جانچنا، شوگر جانچنا، انجکشن لگانا وغیرہ) کمپیوٹر، سلائی، کڑھائی و امور خانہ داری کی تربیت کا اسلامی ماحول میں عمدہ نظم ہے، اس ادارہ کے عزائم میں یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قوم کی بچیوں کے اندر اتنی صلاحیت پیدا کی جا سکے جس سے وہ قرآن و حدیث کو سمجھیں اور اس سے استفادہ کے قابل بن سکیں، عصری تعلیم کے میدان میں قوم کی بچیاں نمایاں کامیابی حاصل کر سکیں اور معاشرہ میں وہ ایک باشعور بیٹی، وفادار بیوی، باحیا بہن اور ایک باوقار ماں کا کردار ادا کر سکیں۔ اس ادارہ میں داخلہ کی خواہشمند طالبات اور معاونین دیئے گئے پتہ پر خط و کتابت یا مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز احمد

ناظم مدرسہ ھٰذا و سابق چیئرمین بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ

رابطہ نمبر: 7761916266/9431063286

اعلان داخلہ

امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے ماتحت چلنے والے مولانا منت اللہ رحمانی پارا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ پھلواری شریف، پٹنہ میں بی ایم ایل ٹی (بیچلر آف میڈیکل لیبوریٹری ٹیکنالوجی) اور بی پی ٹی (بیچلر آف فیزیوتھیراپی) کورس میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ و طالبات کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مذکورہ دونوں کورسز میں داخلہ کے لیے داخلہ امتحان (Entrance Test) مورخہ 02 نومبر 2022 کو صبح 10:00 بجے سے دوپہر 1:00 بجے تک ہوگا۔ داخلہ امتحان میں شرکت کے لیے فارم بھرنے کا عمل جاری ہے۔ جن طلبہ و طالبات نے اب تک فارم نہیں بھرا ہے وہ جلد از جلد انسٹی ٹیوٹ کے کاؤنٹر سے فارم حاصل کر کے فارم بھر کر جمع کر دیں اور مذکورہ تاریخ میں داخلہ ٹیسٹ میں شریک ہوں۔ ایڈمٹ کارڈ مورخہ 01 نومبر 2022 سے ملے گا۔ داخلہ امتحان میں شرکت کے لیے اپنا آدھار کارڈ ضرور ساتھ لائیں۔ مزید معلومات کے لیے انسٹی ٹیوٹ کے موبائل نمبر 9905354331, 9631529759, 7091445303 پر رابطہ کریں۔

سہیل احمد ندوی

سکریٹری جنرل امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

مسلم خواتین کے جنگی کارنامے

مولوی اقبال احمد

جنگ کی دو نوعیت ہے جس معرکہ میں لشکرِ اسلام کی طرف سے دشمن پر پیش قدمی کی جاتی ہے اس کو اقدامی جنگ کہتے ہیں اس میں عورت کو شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی عورت اپنی مرضی سے یا اپنے سر پرست کی مرضی سے اس اقدامی جنگ میں جانا چاہے تو وہ شریک بھی ہوسکتی ہے۔

اور جس معرکہ میں دشمن کی طرف سے مسلمانوں پر یورش و یلغار ہو رہی ہو، مملکت اسلامی کو خطرہ اور مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو کو اندیشہ لاحق ہو گیا ہو تو مرد و زن، پیر و جواں سب پر دشمن کے دفاع کے لئے جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس کو دفاعی جنگ کہتے ہیں۔

ایسے نازک وقت میں عورتیں مختلف کام انجام دیتی تھیں مثلاً زخمیوں کی مرہم پٹی، ان کو پانی پلانا، مجاہدین کیلئے خورد و نوش کا انتظام، فوج کی نگرانی، اخلاقی طور پر مجاہدین کے جذبات کو دشمن کے خلاف برانگیختہ کرنا، مجاہدین کے دل بڑھانا، ان کی غیرت کو جھنجھوڑنا، جنگی امور میں مشورہ دینا۔ ان کاموں کے ساتھ ساتھ ایک اہم اور آخری کام محاذ جنگ میں دشمن سے برسر پیکار رہنا ہوا کرتا تھا۔

خواتین کی ایک جماعت زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے پر کاربند تھی۔ جب معرکہ سخت ہوتا اور ہر طرف سے چیخ و پکار، آہ و بکا، سیف و سنان، تیر و تفنگ سے پیدا ہونے والی بھیانک آواز اٹھتی تو یہ جماعت بلا خوف و خطرہ صفوں کو چیرتی ہوئی گھس جاتی اور زخمیوں کو نکال کر محفوظ مقامات پر منتقل کرتی اور ان کے زخموں پر مرہم پٹی کرتی۔ حضرت رفیدہؓ اسلام کی پہلی خاتون ہے جو علم طب، اور ڈریسنگ میں ماہر تھی۔ ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے قریب ایک خیمہ 'خيمة المستشفىٰ' کے نام سے نصب کروایا تھا جس کو آج کی اصطلاح میں میدانی دواخانہ کہتے ہیں۔

جب لوگ شکست سے دوچار ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے تو آپ زخمیوں کو اس خیمہ میں داخل کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحابی رسول حضرت سعد بن معاذؓ جو معرکہ بنو قریظہ میں بری طرح زخمی ہو گئے تھے، انہیں حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا ہی کے خیمہ میں مرہم پٹی کے لئے پہنچا دیا گیا تھا۔ رفیدہؓ کے علاوہ امینہ بنت قیس غفاریہ رضی اللہ عنہا سترہ سال کی عمر میں علم طب اور فن جراحت میں باکمال ہو چکی تھیں۔ جہاں ام سلیم، ام سنان اسلمیہ اور نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہن اس وقت کی مشہور و معروف سرجن خواتین تھیں۔ وہیں اور بھی بہت سی عورتیں تھیں جو طب و جراحت میں مہارت رکھتی تھیں اور جنگ میں مجاہدین کی مرہم پٹی کے کاموں پر مامور تھیں۔ شریعت مطہرہ نے اطباء مرد و زن کو شدید مرض کے وقت ایک دوسرے کے علاج کی اجازت دی ہے۔

شہداء کی تکفین و تدفین کا کام بھی عورتوں کے سپرد تھا۔ وہ میدان کارزار سے شہداء کو اٹھا کر لاتیں اور مدینہ میں محفوظ مقام پر دفن کرتی تھیں۔ جب میدان جنگ ہی میں تکفین و تدفین کا حکم آیا تو عورتیں ہی تھیں جو اس کام کو انجام دیتی تھیں۔

اسلام نے شہید کو غسل دینے اور اس پر نماز جنازہ ادا کرنے سے روک دیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''شہداء کو غسل مت دو، کیونکہ قیامت کے دن ان کے زخم اور خون سے مشک و عنبر کی خوشبو پھوٹ رہی ہوگی۔'' ان پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی حکمت تو یہ ہے کہ نماز جنازہ گناہوں کی مغفرت اور مرنے والے کی سفارش کیلئے ہوتی ہے اور شہید گناہوں سے پاک و صاف ہو جانے کی وجہ سے شفاعت کا محتاج نہیں رہ جاتا، اب وہ دوسروں کیلئے باعث شفاعت ہو جاتا ہے۔

ابتدائے اسلام میں عورتیں جنگی امور میں مردوں کے ساتھ مشوروں میں شریک رہا کرتی تھیں۔ محاذ جنگ کی پلاننگ اور قیدیوں کی سزا اور رہائی جیسے امور میں ان کی اپنی رائے ہوتی تھی جن کا پیغمبر علیہ السلام لحاظ فرماتے تھے اور بسا اوقات بروئے کار بھی لاتے تھے، ان کی تجاویز پر عمل فرماتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب کہ آپ کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو صحابہ کو جمع کرتے جن میں صحابیات بھی ہوتیں اور آپ مرد و زن سبھوں سے فرماتے: ''لوگو مجھے مشورہ دیتے رہو، اس لئے کہ میرے رب نے مجھے دوسروں سے مشورہ لینے کا حکم دیا ہے''۔

غرض کہ جنگ کا کوئی بھی معاملہ ایسا نہیں تھا جس میں عورتیں مردوں کے ساتھ شریک نہ ہوئی ہوں۔ محاذ جنگ کا انتخاب ہو یا اسلامی لشکر کی ترغیب، امن و صلح کی بات ہوں یا پیش قدمی کی، آپ انہیں ہر معاملہ میں شریک و سہیم پائیں گے۔

مشہور مورخ اسلام علامہ واقدی نے اپنی 'فتوح الشام الکثیر' میں ایسی تمام عورتوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ان کے جنگی کارناموں کا بھی ذکر کیا ہے جو اپنے زمانہ میں جنگوں میں شریک رہا کرتی تھیں۔ خصوصاً جنگ سحوراء میں خولہ بنت ازور اور یرموک میں مجاہدۂ اسلام اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بہادرانہ کارناموں کا بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

بعض مرتبہ خواتین اسلام کے ان نیک مشوروں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی ناچاقی اور بگڑتے ہوئے حالات کی روک تھام میں بروقت بڑا کام کیا ہے۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے پیش کردہ شرائط کو منظور کرنے میں صحابہ میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کدورت بیٹھنے لگی۔ اندیشہ تھا کہ صحابہ آپ کو تنہا چھوڑ کر منتشر نہ ہو جائیں۔ اس وقت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے نیک مشورے ناخوش گوار فضا کو ختم کیا اور صحابہ کو اختلاف سے بچالیا۔ تمام صحابہ نے اس نیک مشورہ کو تسلیم کیا، اس پر برضا لبیک کہا۔ حضرت ام سلیم کے اس بروقت مشورہ پر خدا کے رسول نے فرط مسرت سے فرمایا: ''ام سلیم مبارک ہو (بہت خوب) خدا نے تمہارے ذریعے مسلمانوں کو ایک بڑے دن کی ذلت سے بچالیا۔''

عورتوں کو شریعت اسلامی نے قیدیوں کو معاف کر دینے اور اپنی یا کسی کی پناہ میں رکھنے کا بھی حق دیا ہے، جس کی نظیر پردۂ زمین پر رونما ہونے والے دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ اور یہ عورتوں کے لئے وہ اعزاز ہے جو آج بجز اسلام کے دوسرے مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔

غزوۂ بدر میں جب مشرکین مکہ گرفتار کئے گئے تو ان میں بنت رسول حضرت زینب کے شوہر حضرت ابوالعاص بن ربیع بھی تھے، ابوالعاص نے اپنی بیوی سے امان طلب کی، حضرت زینب نے منظور کیا اور نماز فجر کے بعد صحابہ کے درمیان ابوالعاص کو پناہ میں لینے کا اعلان کیا۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس اعلان کو سن کر صحابہ سے فرمایا، تم نے بھی سنا۔ صحابہ نے عرض کیا، جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، آج میں نے وہ باتیں سن لیں ہیں جسے تم نے بہت پہلے سنا تھا یعنی مسلمان اپنے علاوہ دوسروں کیلئے بھی معین و مددگار رہتا ہے۔ ان میں ایک معمولی مسلمان بھی دوسروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ ہم نے بھی اس کو پناہ دی ہے جس کو زینب نے پناہ دی ہے۔ ابوالعاص سے جو کچھ لیا گیا تھا زینب نے اسے لوٹا دینے کی درخواست کی۔ آپ نے ابوالعاص کو آزاد کرنے کے بعد اس کے مال کو واپس لوٹا دیا۔ اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا، انہوں نے خدا کے رسول سے کہا، میرے پاس مکہ والوں کی کچھ امانتیں ہیں جن کو میں آپ کے حوالے نہیں کرسکتا۔ آپ نے ان کو چھوڑ دیا۔ وہ مکہ گئے اور لوگوں کو ان کی امانتیں واپس کیں اور مسلمان ہو کر مدینہ آگئے۔

اس واقعہ سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی بیشتر اختیارات دیئے ہیں۔ یہ بات نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی بلکہ تمام مسلم عورتوں کے لئے یکساں نظر آئے گی۔

عہد نبوت میں محاذ جنگ پر عورتیں جہاں لشکر و سپاہ کیلئے سامان خورد و نوش کو فراہم کرتی تھیں وہیں جنگی گھوڑوں کی نگہداشت، بیمار ہوئے تو ان کے علاج کی تدبیر، مجاہدین کی بروقت امداد رسی اور عمدہ قسم کے سامان جنگ اور آلات حرب کی فراہمی بھی ان پر ضروری تھی۔

علامہ واقدی نے اپنی کتاب 'فتوح الشام و مصر' میں ایک معرکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس روز خالد بن ولید کے ہاتھوں کئی تلوار ٹوٹی تو ان کی بیوی ام تمیم کھڑی ہو کر نئی تلواریں فراہم کرتی رہیں، تاکہ خالد دشمنوں سے اخیر تک برسر پیکار رہیں۔ اسی طرح بہادر دل خاتون حضرت اسماء بنت ابوبکر اپنے شوہر زبیر بن عوام کو یکے بعد دیگر نئی تلواریں دیتی رہیں۔

عورتیں میدان جنگ میں اپنے نونہالوں اور مردوں کے پہلو میں کھڑی ہو کر ان کے جذبات دینی اور غیرت قومی کو آواز دیتیں، تاکہ وہ اپنے شرف کی حفاظت کریں اور دشمن سے پوری جوانمردی اور جگر سوزی کے ساتھ مقابلہ کرسکیں۔ وہ بہادرانہ اشعار، شجاعت انگیز جملوں اور قرآن کی آیات جہاد کو پڑھ پڑھ کر مجاہدین کے دل بڑھاتیں، ان کے شعور و جذبات کو گرماتیں اور دنیا کی چندروزہ عارضی زندگی کی بے ثباتی کا یقین اور شہادت کے شوق کو بڑھاتی تھیں۔

جن خواتین اسلام نے اپنے بلیغ خطبوں اور اثر انگیز اشعار کے ذریعے محاذ جنگ میں نام پیدا کیا ان میں اسماء بنت ابوبکر معرکۂ یرموک میں، خولہ بنت ازور، شام و مصر کی جنگوں میں، خنساء اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہما فارس و عراق کی جنگوں میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔

علامہ واقدی اپنی کتاب 'تاریخ فتوح الشام' میں ہندہ بنت عتبہ کے متعلق رقم طراز ہیں وہ انصاری صحابیات کے ایک دستہ کو لے کر غازیان اسلام کو غیرت دلانے اور مقابلے کے لئے دل بڑھانے اس شان سے نکلیں کہ ان کے ہاتھ میں دشمن کی سرکوبی کے لئے اگر درخت کی شاخ تر ہے تو زبان پر وہ بہادرانہ کلمات ہیں، جس کی یاد ذہنوں سے مٹائی نہیں جاسکتی۔ جسے انہوں نے احد کی فضاؤں میں بلند کیا تھا ''ہم طارق کی بہادر دل خاتون ہیں جن کے لئے غالیچوں اور قالینوں پر چلنا کوئی مشکل نہیں۔'' دوسری طرف اس معرکہ میں خولہ بنت ازور بلند آواز سے یہ اشعار پڑھ کر بہادر سپاہیان اسلام کے دل بڑھا رہی تھیں۔ ''ہم تبع اور حمیر کی شیر دل خاتون ہیں۔ جن کی ضرب کاری کا انکار کسی کو نہیں، اسلئے کہ ہم محاذ جنگ میں شعلۂ جوالہ ہیں۔ اے دشمنان اسلام آج تمہیں سنگین عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا'' حضرت اسماء بن ابوبکر کا یہ عالم تھا کہ قرآنی آیات اور احادیث رسول کی روشنی میں برملا تقریر کر کے سپاہیوں میں شوق شہادت پیدا کر رہی تھیں۔

نصیب اعداء جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کا دشمن سے انتہائی سنگین مقابلہ تھا اور مسلمان نرغۂ اعداء میں تھے تو عہد جاہلیت کی ممتاز شاعرہ صحابیۂ رسول حضرت خنساءؓ اپنے چاروں نوجوان سپوتوں اور مسلم سپاہیوں کو یکے بعد دیگر قربان ہونے کی ترغیب دے رہی تھیں۔ جب اپنے چاروں بچوں کی شہادت کی خبر حضرت خنساءؓ تک پہنچی تو خدا کی بارگاہ میں ان کلمات کے ساتھ گویا ہوئیں الحمد للہ الذی شرفنی بموتہم ''خدا کا صد بار شکر کہ اس نے میرے بچوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا۔''

محاذ جنگ میں عورت کا ایک کام مردوں کے بار خاطر کو ہلکا کرنا بھی تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ موجودہ دور کی طرح عورتیں رقص و سرور کی محفلیں سجاتی ہوں اور فتنہ سامانیوں کا موقع فراہم کرتی ہوں اور انتہائی فحش گانے گاتی ہوں۔ ورنہ ان کی کامیابی، خدا کا وعدہ اور فرشتوں کی کمک کے ذریعہ کامیابی بلکہ خود فرشتوں کی آمد ممکن نہ تھی۔ اس لئے فرشتے ایسے موقعوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ خواتین مردوں کو وہ وعدے اور بشارتیں یاد دلاتیں جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ وہ بڑے موثر اور دل نشیں انداز میں شہداء اور صالحین کے مقام محفوظ کی طرف متوجہ کرتی تھیں اور وقلن قولا معروفا کے پیار و محبت بھرے اسلوب اور رافت و رقت آمیز کلمات سے ان کے دل و دماغ کی تکان دور کرتی تھیں۔ یہ وہ اہم ذمہ داری ہے جس کو عورتیں ہی بحسن و خوبی انجام دے سکتی ہیں۔

اصلاح معاشرہ اورطریقہ کار

مولانا عین الحق امینی قاسمی

چھٹی صدی عیسوی کے اندرایک ایسے ماحول میں محسن انسانیت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کا علم بلند کیا، جب خوف وہراس اورسراسیمگی سوسائٹی کی مقدر بن چکی تھی، سفاکیت وشقاوت، شرافت وانسانیت پرہنس رہی تھی، فساد و بدامنی اپنے پر پھیلا چکے تھے، سماج ظلم وستم کی چکی میں پیس رہی تھی، ہرطرف چھوٹوں میں بڑوں میں، مردوں میں عورتوں میں، جوانوں میں بوڑھوں میں عدم تحفظ کا احساس بڑھتا جارہا تھا، بغض وعداوت اورتعصب وتنگ نظری تھی، شراب وکباب کی ایسی پرشور محفلیں قائم رہتیں، جس میں فحاشیت وعریانیت کوخوب خوب فروغ مل رہا تھا، زنا کوایک سامان تفریح سمجھ کر، زندگی کا حصہ تصور کیا جارہا تھا، چوری اور ڈاکہ زنی کوحصول دولت کا واحد ذریعہ خیال کیا جارہا تھا، مظلوموں کوتڑ پانا، حقوق شکنی اور بے مروتی اور بد اخلاقی ایک عام سی بات تھی، قتل وغارت گری اورلٹ مار گویا روزانہ کا معمول تھا۔ زندہ معصوم بچیوں کو درگورکیا جانا معیوب نہیں رہ گیا تھا۔

تب رحمۃ للعالمین محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی اور رسول تشریف لائے اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ظاہری امراض کی قباحت اوراس کی ہلاکت خیزی کو بیان فرمایا، بلکہ امراض کی تشخیص فرما کراس کا حقیقی علاج بھی بتایا۔ اس طرح صرف ظاہری گوشت پوست کوسنوارنے پر زورنہیں دیا، بلکہ انسانی دلوں کا بھی علاج کیا اورصرف تئیس برس میں بے مثال ایسی سماجی اصلاح فرمائی کہ لوگ خداپرستی اوراطاعت گزاری کا بے مثال نمونہ بن گئے۔

برسوں کے شرابیوں نے ہونٹوں میں لگے جام تک کوزمین پر پٹخ دیا، زانیوں نے ہمیشہ کے لیے زنا سے توبہ کر لی، دنیا کی تمام عورتیں ماں بہن کے درجے میں تصور کی جانے لگیں، ڈاکواورلٹیرے اس برے عمل کو چھوڑ کرمزدوری وتجارت کے ذریعے رزق حلال کی تلاش میں جڑ گئے، بدکاری، بدفعلی، غیبت وچغل خوری، بغض وحسد، تکبراورکینہ پروری اسی طرح لوٹ کھسوٹ، بہتان والزام تراشی اوربچیوں کی پیدائش کوسماجی عیب خیال کرنے جیسی بے شمار برائیاں یکسر ناپید ہوگئیں۔ مگر بیتے دور کے ساتھ اورزمانہ نبوت سے دوری کی وجہ سے آج پھر ہمارا معاشرہ مختلف طرح کے منکرات سے دوچار ہے۔

سماج ومعاشرہ میں بڑھتے جرائم ومنکرات کی خبریں روزانہ اخباروں میں شائع ہورہی ہیں، آئے دن چوری، ڈاکہ زنی قبل وغارت گری، ظلم وتعدی اور پڑوسیوں کے ساتھ ایذارسانی جیسے منکرات کے پنپنے کی خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں، جب کہ اس بات پر ہر طبقے کا اتفاق ہے کہ جرائم ومنکرات کے رہتے ہوئے کوئی تہذیب، معاشرواورملک پنپ نہیں سکتا، چوں کہ زنا ایک گھناؤنا جرم ہے جونسل انسانی کومسخ کرتا ہے، سماج میں بے حیائی اورشروفساد کوجنم دیتا ہے، سوسائٹی سے احساس تحفظ کوختم کردیتا ہے، چوری، ڈاکہ زنی اورلوٹ کھسوٹ جیسے جراحی عمل معاشرے کے لیے بغاوت کی علامت ہیں، اس سے خوف وہراس اور بداعتمادی کی فضا ہموار ہوتی ہے اورامن وسکون ہمیشہ خطرہ محسوس کرتا ہے۔

ناحق قتل ایسا جرم ہے جوانتقامی جذبات کوبھڑ کا کر جنگ وجدال کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کرتا ہے۔ شراب نوشی یاکسی بھی طرح کی منشیات کا استعمال، فقروافلاس کودعوت دینے، انسانی احساس کومضمحل کرنے اوراخلاقی شعورکوختم کرنے کے ساتھ جنسی جرائم وفحاشیت کو وجود بخشنے کا بھی سبب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سماج سے ان برائیوں کا خاتمہ کیسے ہو؟ تلک وجہیزاورشادی بیاہ کے نام پر دلہا کے خرید وفروخت کوکیسے روکا جائے، بارات و رخصتی کے موقع پرغیرشرعی رسوم ورواج اورانسانیت وشرافت کوشرمسار کرنے والے ناچ گانوں سے ہمارا سماج کیسے محفوظ رہے، سودی کاروبار، جھوٹی گواہی، حرام خوری اوردین بیزاری سے کیسے بچا جائے، ہمارا گھر خاندان، اسلامی اخلاق وعادات سے بہت دور ہوتا جارہا ہے، غیروں کے کلچر سے ہم اس درجہ مرعوب ومبہوت ہیں کہ ہمارے لئے اپنے دین پر جمنا نہ صرف مشکل ہورہا ہے، بلکہ ہمارے ذہن اوردل ودماغ، غلط کوغلط کہنا تو دور، غلط سمجھنے پربھی آمادہ نہیں ہیں۔

آخررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کون سی تعلیم تھی، آپ کے پاس سماجی اصلاح کا وہ کون سانسخہ تھا، جس نے بگڑے ہوئے معاشرے کا نقشہ بدل دیا تھا؟ ان مذکورہ بالا سوالات کے بہت سے جوابات میں سے اس کا سیدھا اورمضبوط جواب یہ ہے کہ ”فکرآخرت اورخوف خدا“ کی یقینی دعوت دی جائے، آخرت کی زندگی ہمارے دلوں سے اوجھل ہوچکی ہے اورہم نے چندروزہ زندگانی کو ہمیشہ ہمیش کی زندگی سمجھ لیا ہے اوراس سے اس طرح اپنے آپ کووابستہ کیا کہ بس ہمیں سب روز یہیں رہنا ہے۔

جب کہ قرآن کریم کی آیات واضح طور پررہنمائی کرتی ہیں کہ (۱۱۵) یعنی: تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اورتم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟ (العنکبوت: 64)

یعنی اور دنیا کی یہ زندگانی تو محض کھیل تماشہ ہے، البتہ سچی زندگی تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش تم یہ جان لیتے۔“ (الترمذی، کتاب الزہد باب: ماجاءفی ذکرالموت، 4/553)

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لذتوں کوختم کرنے والی چیز یعنی موت کوزیادہ یاد کیا کرو۔“ (ابوداؤد ص: ۹۵)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے، جب تمام کافرقومیں تمہارے مٹانے کے لئے مل کرسازشیں کریں گی اورایک دوسرے کواس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان پرکھانا کھانے والے (لذیذ) کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہماری قلت تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دیں گے، اورتمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دیں گے، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اورموت سے نفرت۔ الدنیا مزرعۃ الآخرہ، یعنی یہ دنیا دارالعمل ہے، اورآخرت دارالجزاء ہے، یہاں ہم جیسا بوئیں گے آخرت میں وہی کاٹیں گے۔

یاررکھیئے! جب تک انسانی قلوب میں آخرت کا خوف اور قیامت کے دن بارگاہ رب العالمین میں پیشی کا احساس پیدانہیں ہوگا، جہاں دنیا کے تمام اولین وآخرین کا اجتماع ہوگا اور ہرکسی کواپنے اعمال کا بلاکم وکاست سزاوجزاء دیا جائے گا، تب تک سماج کواصلاح حال کے نکتے پر جمانا مشکل ہوگا، ان کے اندراپنی ذات وسماج کی اصلاح کی فکر پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے سامنے مختلف جہتوں سے مضبوطی کے ساتھ” فکر آخرت“ کوپیش کیا جائے، ان کے سامنے بغیرکسی چیخ وپکاراورلانبے جلسوں کے، صرف آخرت کی ہمیشہ ہمیش والی تابناک اورغضبناک زندگیوں کا مذاکرہ کیا جائے۔

امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کی دعوت دینے والی اس آخری امت کی کیا ذمہ داریاں ہیں، خودسماج کے کیا کیا حقوق ہیں، ان حقوق کوصاحب حق تک پہنچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم محمد رسول اللہ کی کامل پیروی اور آپ کی جامع ہدایات کی مکمل پاسداری کرنے والے بن جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات کے ذریعہ ہی ہماری انفرادی واجتماعی زندگی مستحکم اورمضبوط ہوسکتی ہے، سیاست ومعشیت، تہذیب وتمدن اورعائلی نظام زندگی سے لے کرمعاش ومعیشت تک میں نظم وضبط برقراررہ سکتا ہے، دھوکہ دھڑی۔ مکاری، دغابازی، اغواکاری، دروغ گوئی، نفرت وعداوت بغض وحسداورآپسی خانہ جنگی ختم ہوسکتی ہے۔ جوا، شراب نوشی، گھریلو جھگڑے، بے حیائی وفحاشی، بدزبانی وبدکلامی، شادی بیاہ اس کے طورطریقے، بداخلاقی اوراپنی نسلوں کی اصلاح وتربیت جیسے مسائل کا حل یادرکھیئے کہ اپنی ذمہ داری کے کامل احساس اورمقصد تخلیق کوگہرائی سے سمجھے بغیر بہت مشکل ہے۔

آج ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ ہم خود، جومنکرات کی اصلاح کی آواز بلند کرتے ہیں، بعض مواقع پرایسا کچھ غلط کرجاتے ہیں جواصلاح کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے، ہم داعیوں کواوروں سے زیادہ صبروتحمل برتنے کی ضرورت ہے، ایسی تحریک کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس میں تحریک کارخودمنکرات میں ملوث ہوں، منکرات کے ساتھ اصلاحی جہت اپنی تابانی کبھی بھی پیش نہیں کرسکتی، اس سلسلے میں محسن انسانیت کی پوری تئیس سالہ زندگی، خلفاءراشدین، صحابہ کرام اور بعد کے ادوار میں حاملین قرآن وسنت داعیان اسلام کی پوری سیرت، عزیمت پرمبنی کامل ومکمل انسائیکلوپیڈیا ہے۔

اگران پاسبان عزیمت، عزیمت کی راہ کے راہی نہ ہوتے تو نہ یہ دین ہم تک پہنچتا اور نہ ہم مشرف بایمان ہوتے، تحریک کاروں کے لئے ذاتی تمناؤں کوکچلنا اورعزیمت کے ساتھ صبروتحمل کو گلے لگانا پہلی شرط کے طور پر بتایا گیا ہے۔

مگر یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ غلطی انسانوں سے ہی ہوسکتی ہے، وہ انسان چاہے کوئی بھی ہو، چھوٹا ہو یا بڑا عام ہو یا خاص۔ معصوم کوئی بھی نہیں اور نہ دودھ سے دھلا ہوا، کام ہم گنہگاروں کو ہی کرنا ہے اور اپنی کمی اور خامیوں کے باوجود لوگوں کے درمیان ہم جیسے گنہگاروں کو ہی جانا ہوگا، اس لئے انا نکرہ المعاصی، ولانکرہ العاصی کے تحت صفت گناہ اور غلط عادت واخلاق سے نفرت ہونی چاہئے، خاطی اور غلط کاروں سے نہیں، اگر ہمارے بیچ کوئی اللہ کا بندہ اصلاحی فکر لے کر آتا ہے تو اس کا ساتھ بھی دینا چاہئے اور تنہائیوں میں ان کے لئے خیر پراستقامت کی دعا بھی کرتے رہنا چاہئے۔

مولانا سید عثمان غنی پر سمینار کا انعقاد امارت شرعیہ کا مستحسن قدم: انوارالحسن وسطوی

امارت شرعیہ کے رکن مجلس شوریٰ انوارالحسن وسطوی نے گزشتہ 13 اکتوبر 2020 کوامارت کے زیراہتمام مولانا سید عثمان غنی کی حیات وخدمات پر منعقدہ باوقار سیمینار کے انعقاد کوامارت شرعیہ کا مستحسن قدم قرار دیتے ہوئے اپنے بیان میں کہا ہے کہ قابل مبارکباد ہیں امارت شرعیہ کے موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی مدظلہ جن کے نام یہ قرعہ فال نکلا کہ انہوں نے امارت شرعیہ کے اول ناظم، مفتی اور امارت شرعیہ کے ترجمان "امارت" اور "نقیب" کے مدیر حضرت مولانا سید عثمان غنی کی حیات وخدمات پر ایک وقیع سمینار کا انعقاد کیا- حضرت امیر شریعت کی یہ فکر نئی نسل کو حضرت مولانا کی حیات وخدمات سے روشناس کرانے کی ایک عمدہ کاوش کہی جائے گی- انوارالحسن وسطوی نے اس تاریخی سمینار کے کنویز مولانا مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی کو بھی سمینار کے کامیاب انعقاد پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے سمینار کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ہر ممکن سعی کی- مقالہ نگاروں اور مضمون نگاروں سے برابر رابطہ بنائے رہے اور انہیں اپنی تحریر جلد مکمل کر لینے کی تاکید کرتے رہے جس کے نتیجے میں حضرت مولانا سید عثمان غنی کی حیات وخدمات پر یہ تاریخی سمینار منعقد ہوسکا اور شرکاء سیمینار اپنے محسن کی زندگی اور کارناموں سے مستفیض ہوسکے- پرانی نسل کو مولانا سید عثمان غنی کی یاد دلانا اور نئی نسل کو مولانا کی ذات سے متعارف کرانا امارت شرعیہ کا یقیناً مستحسن قدم ہے جو لائق ستائش ہے-

جریدۂ امارت پر مقدمہ بغاوت کی روداد

سید محمد عادل فریدی

1823 مطابق 1238 ہجری میں کلکتہ سے جام جہاں نما کے ذریعہ شروع ہونے والی اردو اخبار کی تاریخ نے آج قمری تقویم کے اعتبار سے دوسو آٹھ سال اور شمسی تقویم سے ایک سو 99 سال 8 مہینے پورے کر لیے ہیں۔ان دوسو سالوں میں گنتی کے اخبار ہی ایسے ہیں جنھوں نے سو برس یا اس سے زیادہ کی عمر پائی۔موجودہ وقت میں جو اردو اخبار سوسال سے زندہ ہیں ان میں نمایاں نام امارت شرعیہ سے نکلنے والے اردو ہفتہ وار ''نقیب'' کا بھی ہے،امارت شرعیہ کے ترجمان ہفتہ وار نقیب کا پہلا شمارہ 03 اگست 1924 مطابق یکم محرم 1343 ہجری کو''جریدۂ امارت'' کے نام سے نکلا،آج اس اخبار نے قمری تقویم کے اعتبار سے ایک سوایک سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔جب اس اخبار کا پہلا شمارہ نکلا تو اس کا مقصد وحید اسلامی خدمت کو قرار دیا گیا،لیکن انگریزوں کے جبر واستبداد کے خلاف آواز اٹھانے کی سماجی ذمہ داری کو بھی اس اخبار نے بخوبی نبھایا۔اکابر امارت شرعیہ نے انگریزوں کے خلاف قلمی جہاد کی راہ اپنائی اور اکبرالٰہ آبادی کے اس شعر پر عمل کیا کہ

کھینچونہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو ☆☆☆☆ جب توپ مقابل ہو تو اخبار نکالو

چنانچہ مدیر امارت حضرت مولانا سید محمد عثمان غنی کے تحریری تیر ونشتر نے انگریزوں کے دل ودماغ کو اس طرح چھلنی کر دیا تھا کہ بالآخرانھوں نے نہ صرف اس اخبار پر پابندی لگائی اس کے شماروں کو ضبط کیا،اخبار پر جرمانہ عائد کیا، بلکہ اس کے مدیر کو گرفتار کر کے پابند سلاسل بھی کر دیا۔ذیل کی سطروں میں اس مقدمہ بغاوت کی مختصر جھلک پیش کی جارہی ہے۔

جریدۂ امارت کے جلد3 شمارہ نمبر1 تا10 اس مقدمہ کی پوری روداد شائع ہوئی ہے۔اس روداد کے مطابق مدیر امارت پر جریدہ امارت جلد 2،شمارہ 21(شائع شدہ 18 مئی 1926ء) میں شائع شدہ مضمون **''حکومت اور مسلمان؛ نزلہ برعضوضعیف ریزد''** کی اشاعت پر بغاوت کا مقدمہ تعزیرات ہند کی دفعہ 124 (الف) کے تحت دائر کیا گیا۔یہ مقدمہ گورنران کونسل کے حکم سے دیوبرت مکھرجی سب انسپکٹر تھانہ پیر بہور پٹنہ نے دائر کیا تھا۔جس کی پہلی پیشی 12 جولائی 1926 کو خان بہادر مولوی محمد حمید صاحب سینئر ڈپٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں ہوا تھا۔سرکاری وکیل رام بہادر تھے اور مدیر کے وکیل دفاع مسٹر محمد یونس بارایٹ لا،مولوی مجیب الرحمٰن اور مولوی سید محمود شیر صاحبان تھے۔مدعی نے مذکورہ مضمون کو باغیانہ (seditious) قرار دیتے ہوئے عدالت میں مضمون اور اس کا انگریزی ترجمہ پیش کیا تھا۔انگریزی ترجمہ سرکاری مترجم مسٹر اے بی سنہا کی نگرانی میں ان کے اسسٹنٹ مولوی انوار احمد نے کیا تھا۔دوسری پیشی 26 جولائی 1926ء کو ہوئی،اس پیشی میں مدعا علیہ کے وکیل کے طور پر مولوی فضل الرحمٰن مختار بھی تھے۔اس پیشی میں مدعی کی طرف سے جلد2 شمارہ نمبر 21 کے علاوہ جلد2 شمارہ نمبر4 (شائع شدہ20 صفر1344)، جلد2 شمارہ نمبر 20(10 جمادی الاولیٰ 1344)،جلد2 شمارہ نمبر 20(22 ذی قعدہ1344)اور جلد2 شمارہ24(20 ذی الحجہ 1344) کو بھی پیش کیا گیا اور دعویٰ کیا گیا کہ ان میں شائع مضامین بھی باغیانہ ہیں۔جلد2 شمارہ4 میں شائع مضمون کا عنوان تھا **''حرمت مدینہ طیبہ وفتنہ ہند''**،شمارہ22 کے مضمون کا عنوان تھا **''سہسرام میں ہندوراج''**

چونکہ حکومت نے ان پرچوں کو ضبط کر لیا اس لیے اخبار کے ریکارڈ روم میں وہ مضامین موجود نہیں ہیں۔جلد2 خدابخش لائبریری میں موجود ہے،اہل ذوق وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ان مضامین کو دیکھ کر جہاں آپ کے قلم کی جولانی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں اس ملی وقومی درد کا بھی پتہ چلتا ہے جو انگریزوں کے ظلم واستبداد کی وجہ سے آپ کے دل میں موجزن تھا۔آپ کی وہ تحریریں ہر اس محبّ وطن اور قوم کے دردمند کے دل کی آواز اور جذبات کی ترجمانی تھی جو فرنگیوں کے ظلم وستم سے نالاں اور ملک کو اس جبر سے آزاد کرنے کی تمنا اپنے دلوں میں رکھتے تھے۔

تیسری پیشی 7 اگست 1926 کو ہوئی،اس میں مدعا علیہ کے وکلاء میں مذکورۃ الصدر وکلاء کے علاوہ مولوی عبدالباری محمد ساقی بھی تھے۔بعض تاریخوں پر دیگر وکلاء مثلاً مولوی حبیب الرحمٰن صاحب مختار،مولوی فصیح احمد صاحب مختار اور مولوی بشارت کریم صاحب نے بھی مدیر امارت کے مذکورہ وکلاء کی معاونت کی۔

چوتھی پیشی 12 اگست 1926 ،پانچویں پیشی 16 اگست 1926 ،چھٹی پیشی 17 اگست 1926،ساتویں پیشی 21 اگست 1926 کو ہوئی۔مقدمہ کی تمام بحث 4 نومبر 1926 کو ختم ہوئی اور 22 نومبر 1926 کو فیصلہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔مگر اس دن تک فیصلہ تیار نہ ہوسکا تو دوسری تاریخ 27 نومبر 1926 کی مقرر ہوئی اور اس تاریخ میں مقدمہ کا فیصلہ ہوا۔فیصلہ ایک سال قید محض اور پانچ سو روپئے جرمانہ کا ہوا، جرمانہ ادانہ کرنے کی صورت میں مزید چھ ماہ کی قید محض کا حکم ہوا۔

جریدہ امارت جلد3 شمارہ 10-11 (27 نومبر-11 دسمبر 1926) میں محمد عبدالسبحان اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں''مولانا عثمان غنی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق فیصلہ کو مسکراتے ہوئے سنا،اس کے بعد آپ کورٹ انسپکٹر آفس میں لے جائے گئے،اور وہاں جا کر آپ کرسی پر بیٹھ گئے،اس کے بعد ایک صاحب پھلواری شریف آپ کا ضروری اسباب لانے کے لیے بھیجے گئے،اس درمیان میں لوگ برابر آفس میں آکر ملتے رہے،تقریباً چار بجے آپ کا اسباب آیا،اور آپ تمام احباب وحاضرین سے مل کر فٹن پر سوار ہوئے اور جیل تشریف لے گئے،جیل تک ایک بڑی جماعت ساتھ گئی سات دسمبر کو اپیل دائر ہوئی اور آپ ضمانت پر رہا ہوئے،گیارہویں دن آپ جیل سے بخیر وعافیت واپس آئے۔''

ہائی کورٹ سے ضمانت ملنے کے باوجود آپ نے اپنی مجاہدانہ روش ترک نہیں کی بلکہ اسی جوش وخروش سے قلمی جہاد فرماتے رہے،اپنے اس عزم کا اظہار کرتے ہوئے جلد3 شمارہ نمبر 23)16 فروری (1927 کے شمارے میں لکھتے ہیں:''ہمارے صوبے کی سب سے بڑی عدالت کے سب سے بڑے حاکم نے جو فیصلہ صادر فرمایا آپ کو معلوم ہو چکا ،اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں،قارئین کرام کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس ابتلاء میں اللہ عزوجل نے اپنے ایک ناچیز بندہ کو ثابت قدم رکھا اور جریدہ امارت کی جو روش تھی قائم رہی،آج ہم قارئین کو پھر اس کا یقین دلاتے ہیں کہ جس طرح جریدہ امارت حق وصداقت کے اظہار میں بے خوف وبیباک رہا ہے اور اب تک اس کا جو مسلک رہا ہے وہ برابر رہے گا اور ان شاءاللہ اس میں ذرہ برابر فرق نہ آئے گا،اور آزادی واستقامت کے ساتھ حسب دستور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتا رہے گا۔''

چنانچہ اپنے اس عزم کو عملی جامہ پہناتے رہے؛اگست 1927 میں بتیا میں بھیانک فرقہ وارانہ فساد ہوا،اس موقع پر بھی آپ نے 19 اگست 1927 کے شمارہ میں سخت اداریہ لکھا،جس کے نتیجہ میں اس پرچہ کو حکومت نے ضبط کر لیا اور دوبارہ آپ پر تعزیرات ہند کی دفعہ 153 (الف) کے تحت مقدمہ چلا۔ایک سال قید اور ڈھائی سو روپیہ جرمانہ عائد کیا گیا،اس سزا کے خلاف ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں اپیل کی گئی 30 اپریل 1928 کو اپیل کا فیصلہ ہوا اور مولانا ایک دن قید میں رہنے کے بعد بری کر دیے گئے،اس مقدمہ میں آپ کے وکیل مشہور ماہر قانون سرعلی امام تھے۔

1352 ہجری مطابق 1933ء میں بھی آپ کے ایک اداریہ پر مقدمہ چلا اور ایک ہزار روپئے کا جرمانہ عائد کیا گیا، جرمانہ ادانہ کرنے کی صورت میں جریدہ امارت کو بند کرنا پڑا۔پھر کچھ مہینوں کے بعد اس کا نام بدل کر نقیب رکھا گیا اور نقیب کے نام سے چھپنے لگا،ایڈیٹر کے طور پر صغیر الحق ناصری کا نام چھپنے لگا لیکن عملی طور پر مدیر آپ ہی تھے۔پھر جب ملک آزاد ہو گیا تو 5 اپریل 1949ء سے نقیب کے ایڈیٹر کے طور پر دوبارہ آپ کا نام شائع ہونے لگا۔

ملک آزاد ہونے کے بعد بھی آپ کے قلم نے اپنی فطرت نہیں بدلی اور مظلوموں اور کمزوروں کے حق میں انصاف کی آواز بلند کرتا رہا،اپنی ساری خوبیوں کو سمیٹ کر 8 دسمبر 1977 کو مولانا سید شاہ عثمان غنی نے عالم جاودانی کی طرف رخت سفر باندھا اور قبر کے دامن میں قیامت تک لیے پناہ لے لی۔مگر آپ کی تحریریں،آپ کے خیالات،آپ کے افکار قبر سے باہر زندہ ہیں۔ہم سب بھی ایسے ہی اپنی خوبیوں،خامیوں اور کرتوتوں کو لے کر ایک دن قبر میں سما جائیں گے ۔زندوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جانے والوں کی اچھی چیزوں کو یاد کرتے رہیں اور یاد دلاتے رہیں؛ کہ آنے والے ان سے سبق لیا کریں۔

گاہے گاہے باز بخواں ایں قصۂ پارینہ را ☆☆ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

بقیہ مولانا سید محمد عثمان غنی کی ایک اہم تصنیف ؛''بشریٰ''

پھر بیش تر واقعات کے بعد ہلکا پھلکا سبق آموز جملہ استعمال کر کے بچوں کی توجہ ادھر مبذول کرائی گئی ہے کہ وہ بھی اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کریں جو فطری طور پر کسی واقعہ کو پڑھنے کے بعد بچوں میں خود بھی پیدا ہوتی ہے۔'' (ص:۴)

مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ اس وقت کے جمعیۃ علماء بہار کے صدر کی رائے مختصر سی درج ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ''سیرت نبوی میں مختصر کتاب کی تصنیف کا چلن مولانا موصوف کی کتاب بشریٰ کے بعد شروع ہوا۔'' (ص:۵)

ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ صاحب نے اس کتاب کے مندرجات میں ایک کمی اور تشنگی کا بھی ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:''البتہ ایک تشنگی مجھے محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ بچیوں یا بالفاظ دیگر صنف اناث کے لئے مواد برائے نام ہی ہے،ظاہر ہے ان کے لئے جو مخصوص نمونے ہو سکتے ہیں وہ صحابیات ہی کے اندر پائے جا سکتے ہیں،جس کا ذکر سیرت نبویؐ کے ضمن میں آنا چاہئے،مثلاً غزوۂ احد میں ایک صحابیہ ام عمارہؓ کا واقعہ بیان کیا جا سکتا تھا،جنہوں نے آنحضورؐ کو بچانے کے لئے ستر تیر کھائے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس طرف بھی دیکھتا تھا،ام عمارہؓ نظر آتی تھیں۔'' (ص:۴)

کتاب کا آغاز مصنف علیہ الرحمہ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد مختصر سے خطبہ الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ سے کیا ہے،تمہید بھی مختصر سی تین سطر کی ہے،جس میں اللہ کی بڑی رحمت اور نعمت میں سے ایک انسان کامل کی ولادت با سعادت کو قرار دیا ہے۔اس کے بعد آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی کی ولادت با سعادت،بچپن،جوانی،کسب معاش،نکاح ،ایفائے وعدہ،اصلاحی کام،دیانت پر اعتماد،گوشہ نشینی،نبوت اور نزول وحی،تبلیغ اسلام،اعلانیہ تبلیغ اسلام،عزم و استقامت،صحابہ کا صبر وثبات،حبشہ کی ہجرت،لالچ اور دھمکی،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقاطعہ،صدمہ اور ظلم،مکہ سے باہر تبلیغ،معراج،نماز کا حکم،مدینہ میں اسلام،نقابت،رسول اللہ کی ہجرت،مسجد نبوی کی تعمیر،بھائی چارہ،امن و اتحاد کی کوشش،مدینہ کے دشمن،جہاد،غزوۂ بدر،اذان کی ابتداء،غزوۂ احد،صحابہ کی محبت،یہودیوں کی شرارتیں،شراب کی حرمت،غزوۂ خندق،عہد شکنی کی سزا،صلح حدیبیہ،معاہدہ کی پابندی،غزوۂ خیبر،عمرہ کی ادائیگی،بادشاہوں کو دعوت اسلام،فتح مکہ،دشمنوں سے سلوک،غزوۂ حنین،غزوۂ تبوک،حج کی ادائیگی،حجۃ الوداع،مرض وفات،آخری وصیت ،معجزہ،اخلاق،سادگی،صفائی،گھر کا کام،سبق حاصل کرو جیسے اہم موضوعات پر مولانا محمد عثمان غنیؒ نے انتہائی سادہ اور سہل انداز میں طلبہ وطالبات کی استعداد وصلاحیت کو سامنے رکھ کر لکھا ہے،واقعات وہی ہیں جو سیرت کی عام کتابوں میں بھی مذکور ہیں،لیکن مولانا نے جگہ جگہ بچوں کو جو نصیحتیں کی ہیں اور جو نتائج اخذ کئے وہ ان کے اخاذ ذہن کی پیداوار ہیں،عموماً ان کی طرف نگاہ کم جاتی ہے۔صحابہ کے صبر وثبات پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ آج کے موجودہ حالت میں ہمارے لئے نصیحت بھی ہے اور حوصلہ افزا پیغام بھی،لکھتے ہیں:''جب ظالموں اور جابروں کا غلبہ اور تسلط ہو اور مسلمانوں کے لئے کوئی خاص جائے پناہ نہ ہو اور حق کو ظلم وجور سے پامال کرنے کی کوشش کی جاتی ہو تو ان حالات میں ان ظالموں کے مقابلہ میں اعلان حق کرنا اور صداقت وحقانیت پر قائم رہتے ہوئے ہر قسم کے مصائب برداشت کرنا،یہاں تک کہ اس راہ میں جان عزیز تک قربان کر دینا عین دین ہے،اور اسی کو قرآن وحدیث میں صبر جمیل اور استقامت سے تعبیر کیا گیا ہے۔'' (ص:۲۲)

مولانا امارت شرعیہ کے ناظم بھی تھے اور سیاسی قائد بھی،اس لئے مختلف جگہوں پر سیرت کے واقعات کی روشنی میں ایک امیر کے ماتحت زندگی گزارنے اور بھائی بھائی بن کر رہنے پر زور دیا ہے،یہ سیرت نبی کا پیغام بھی ہے اور اسلام کو مطلوب بھی،لکھتے ہیں:''حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ جانے سے پہلے وہاں کے مسلمانوں کا جماعتی نظم قائم کر دیا اور ہر قبیلہ کے لوگوں کو ایک سردار کے ماتحت کر دیا،تاکہ تمام اسلامی وجماعتی کام خوش اسلوبی سے انجام پائے۔''

مولانا کا اسلوب اس کتاب میں یہ ہے کہ وہ واقعات ذکر کر کے اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں،اور طلبہ کو اس طرف سبق کے انداز میں متوجہ کرتے ہیں اور اس پر عمل کی تلقین کرتے ہیں۔

امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانیؒ کی ادبی خدمات

محمد شارب ضیاء رحمانی

امیر شریعت سابع مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ کی حیثیت عرفی، باکمال عالم دین، شاندار منتظم، بہترین مدبر، تحریکی شخصیت، قانونی باریکیوں کے ماہر، سجادہ نشیں، ماہر تعلیم، مرشد، بے باک، خطیب العصر اور منفرد سیاسی رہنما کی رہی ہے، لیکن ان کی شخصیت کا یہ پہلو زیادہ عام نہیں ہے کہ وہ بے باک صحافی، صاحب طرز مصنف، منفرد نثر نگار اور شاعر بھی تھے۔ انھوں نے تحقیقی، ادبی اور علمی کتابوں اور مضامین کا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کے چھوڑے ہوئے سبھی ادبی مہ پارے منظر عام پر آئیں تو یہ ادب میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔

مکاتیب و خطوط: ادب میں خطوط و مکاتیب کی مستقل اہمیت ہے۔ آپؒ کے خطوط سائل کی باتوں کے تشفی بخش جواب ہونے کے ساتھ ساتھ ادب کے شہکار ہیں۔ بانی النخیل مولانا ابن الحسن عباسیؒ کو ان کی کتاب 'یادگار زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ' کی اشاعت پر آپ نے ۲۶ اکتوبر، ۲۰۲۰ کو جو تہنیتی خط لکھا، یہاں اس کے چند جملے بطور مثال پیش کیے جارہے ہیں۔ اس سے آپ کے اسلوب نگارش کی ندرت، چاشنی اور مزاح کا لطیف اشارہ ملتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''لانبا عرصہ شوق دید میں گزرا، اب مرحلۂ زیارت ہے۔ جناب مولانا محمد عمرین محفوظ صاحب رحمانی کی کرم فرمائی سے کل یہ کتاب مونگیر پہنچی اور میرے سامنے آئی۔ انھوں نے کرم یہ کیا کہ پچیس جلدیں مزید مجھے بھجوادیں تاکہ باذوق مفت خوروں تک پہنچ جائیں۔ آپ نے بہت بڑا کام کیا اور اناسی (۷۹) تجربہ کار بڑے ذی علم اور قلم کے امانت دار حضرات کے مطالعہ کے طریقے اور کتابوں کی سیر کو انھیں کے الفاظ میں کاغذ پر اتار دیا ہے۔ میری نظر میں یہ کتاب نظر کشا ہے، تجرباتی اور علمی خزانہ ہے اور آنے والوں کے لیے ہدایت نامہ ہے۔

ره وفا کے مسافر کریں میری تقلید دلیل راہ ہوں میں گرد کاروں کی طرح

آپ کو، آپ کے ساتھیوں کو اس کوہ کنی کے لیے دلی مبارک باد، اس کام کا بدلہ اور کچھ نہیں ہوسکتا بجز جزاک اللہ۔''

چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کی عنایت ہے کہ آپ نے اس شرف باریابی کو قبولیت سے نوازا اور میری تحریر کو مجموعہ میں جگہ دی، اب میں جرأت کروں گا کہ لوگوں کو کہہ سکوں کہ اگرچہ ''جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے، اسے صاف دل سے بھلا دیا'' مگر پڑھے لکھے لوگ اب بھی مجھے پڑھا لکھا سمجھتے ہیں۔

پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا۔ میں نے ایک کتاب 'درس زندگی' پڑھی تھی جو لاہور سے شائع ہوئی تھی، پطرس بخاری نے اسے اردو قالب میں ڈھالا تھا، بے نظیر چیز تھی، میں نے بار بار کتاب پڑھی اور کامیاب لوگوں کا تصور زندگی اور طریقہ زندگی سمجھنے کی کوشش کی، یہ سارے ماہرین علم وفن، کامیاب زندگی والے مغربی دنیا کے باشندہ تھے، اسی وقت سے جی چاہ رہا تھا کہ مشرقی دنیا کے اساطین علم وفن سے مدد لی جائے اور ایسی ہی بیش بہا کتاب تیار کی جائے، اللہ کا فضل ہے کہ میرا وہ خیال اس شکل میں آج سامنے ہے اور علماء کرام کی حد تک آپ نے کام مکمل کردیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کی طرف سے قبول فرمائے، آپ کو بہترین بدلہ دے اور پھاوا ہم لوگوں کے حصہ میں بھی آجائے۔ آمین۔'' (ماہنامہ النخیل، ص۵۸، ۵۹)

'مکاتیبِ ولی' (زیرِ طبع، مرتبہ حافظ محمد امتیاز رحمانی) میں آپ کے خطوط کو جمع کیا گیا ہے جو ادب کے شاہکار ہیں۔ ان کے علاوہ آپ نے متعدد کتابوں کے مقدمے تحریر کیے۔ اگر ان مقدمات کو جمع کردیا جائے تو بڑا علمی کام ہوگا۔ شخصیات پر بھی آپ نے تحریریں لکھی ہیں جو ادبی سرمایے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شخصیات پر لکھے مقالوں کا مجموعہ 'آئی جوان کی یاد تو آتی چلی گئی' زیرِ طبع ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ پر لکھے مقالے کی علم وادب کی اہم ہستیوں نے پذیرائی کی ہے۔

تنقیدی نقوش: آپ کی تحریروں میں تنقیدی نقوش بھی ملتے ہیں۔ متعدد اہل قلم کی تحریروں پر آپ نے تنقیدی رائے دی ہے۔ آپ کے زیرِ مطالعہ رہ چکی کتابوں پر درج تنقیدی تبصرے اور تحریریں اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے جمع و ترتیب کا کام جاری ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے دل چسپ، تحقیقی اور معلوماتی مضامین کی طویل فہرست ہے جن میں 'ربط آیات قرآنی اور حضرت شاہ ولی اللہ'، 'تصوف اور حضرت شاہ ولی اللہ'، 'مولانا آزاد: کئی دماغوں کا ایک انسان' کے علاوہ 'تصور خدا اور آخرت'، 'بقرعید چند مناظر، چند مشاہدات'، 'انکار خدا کی تحریک: مرض واسباب'، 'اقرار خدا'، 'ڈراون کی جدوجہد'، 'قرآن: علمی بحث، اجتہاد'، 'اصحاب فیل پر کس ذریعہ سے عذاب بھیجا گیا'، 'میرا شوق مطالعہ'، 'تعلیم کے سلسلے میں کرنے کا ایک کام'، 'مسلمانوں سے متعلق حکومت کے فیصلے کس طرح ہوتے ہیں'، اور 'وہ جو بیچتے تھے دوائے دل' اہم اور قابل مطالعہ ہیں، اگر ان سب کو یکجا کردیا جائے تو بڑا ادبی اور نثری سرمایہ ہوگا۔

مولانا رحمانی بحیثیت مصنف: مولانا کی تصانیف کی تعداد ۲۸ ہے جو سیاست، قانون کے موضوعات کے علاوہ سماجی، قانونی، دینی، اصلاحی وسوانحی نوعیت کی ہیں۔ آپ کے مشہور رسائل میں 'بیعت عہد نبویؐ میں'، 'آپ کی منزل یہ ہے'، 'شہنشاہ کونینؐ کے دربار میں'، 'دینی مدارس میں صنعت وحرفت کی تعلیم'، 'لڑکیوں کا قتل عام'، 'مجموعہ رسائل رحمانی'، 'تصوف اور حضرت شاہ ولی اللہ'، 'ممبئی ہائی کورٹ کا تازہ فیصلہ، عدالتی روایات کے پس منظر میں'، 'کیا ۱۸۵۷ء پہلی جنگ آزادی تھی'، 'حضرت سجاد- مفکر اسلام'، 'مفت اور لازمی حصول تعلیم بچوں کا قانونی حق'، 'مسلم پرسنل لا بورڈ اور ہندوستانی قانون'، 'یادوں کا کارواں'، 'اقلیتوں کی تعلیم اور حکومت ہند کو چند عملی مشورے'، 'اقلیتی تعلیمی کمیشن ایکٹ: مختصر جائزہ'، 'صبح ایک زندہ حقیقت ہے، یقیناً ہوگی'، 'اصلاح معاشرہ کی شاہ راہ' اور 'اپنے بچوں کی تعلیم کا عمدہ انتظام کیجیے' اہم اور مقبول عام ہیں۔ ان سے علمی گہرائی، حالات حاضرہ پر درک، قانونی نکات پر زبردست گرفت اور تحریری اسلوب کی انفرادیت واضح ہوجاتی ہے۔ یہ تمام کتابیں اہل علم وتحقیق کے لیے مفید ہیں۔

مولانا رحمانی کا اسلوب نگارش: تحریر کی زبان گفتگو کی زبان کی طرح آسان اور روزمرہ اور عام بول چال کے قریب، بے ساختہ، شستہ اور ہموار تھی، ان میں لطافت، نزاکت، حلاوت، مزاح کا حسین امتزاج ہے۔ پڑھیے تو پڑھتے چلے جائیے، 'صحیفہ' میں شائع آپ کے مضامین سے آپ کے سادہ اور بے ساختہ اسلوب نگارش کا اندازہ ہوجائے گا۔ آپ کی تحریر کی بے ساختگی دیکھنی ہو تو دیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرنامہ 'شہنشاہ کونینؐ کے دربار میں' پڑھ جائیے۔ ابتدا سے انتہا تک شدت عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احساس اور ایسا احساس گویا ہم دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہونچ گئے ہیں۔ یہ کتاب ایک عاشق رسول امتی کی عقیدت کا مظہر ہے اور یقین ہے کہ یہ عقیدت نامہ آپؒ کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوگا۔ چلیے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معطر آپؒ کے جملوں کے ذریعہ 'روضۃ من ریاض الجنۃ' کی سیر کرتے ہیں: ''جنت کی اس کیاری میں قدم رکھنے والا ٹھٹھک جاتا ہے، یہیں پڑے ہوں گے میرے آقا کے قدم، ان کے صحابہؓ کے قدم، وہ جھجھکتا بھی ہے کہ کیسے رکھے یہ گنہگار قدم ان نقوش پر، جنھیں زمین نے شہنشاہ کونین کا نشان قدم سمجھ کر اپنے سینہ میں محفوظ کر رکھا ہے۔ مگر اسے حوصلہ ملتا ہے اس تعلیم سے کہ رسول کے نقش قدم پر چلو، وہ بے تابانہ قدم جماتا ہے۔''

''رہ رہ کر خیال آتا، کیا یہ قدم اس پاک سرزمین سے لگنے کے لائق ہے؟ دل سے آواز آئی، جب تک ندامت کے آنسو قدموں کو نہ دھوڈالیں، یہ قدم اس پاک سرزمین پر رکھنے کے قابل نہیں، دل کی آواز پر ایسے نازک مرحلہ میں کون لبیک نہیں کہتا، آنکھوں نے دل کا ساتھ دیا اور جب اشک ندامت نے گناہوں کے بوجھ کو ذرا ہلکا کیا تو قدم آگے بڑھے۔ آرزوؤں کے در سے دربار نبویؐ میں حاضری ہوئی، دو رکعت نماز پڑھی، سورج نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا، اللہ کو یاد کرنے والے ابھی دو گھڑی کے لیے آرام کر رہے تھے، ایک گنہگار امتی آقا کے دربار میں سلام پیش کرنے کے لیے بڑھ رہا تھا، عجیب کیفیت تھی دل کی، کبھی درود، کبھی نعت کا کوئی مصرع اور کبھی **الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ**، شوق، قدم کو تیز بڑھاتا، احترام، قدم کو تھام لیتا، ''ریاض الجنۃ'' میں جگہ خالی تھی، جی چاہا دو رکعت پڑھ لی جائے پھر حاضر ہوکر سلام پیش کیا جائے گا، دل نے کہا کہ پہلے سلام پیش کیا جانا چاہیے، ایک سلام قبول ہوگیا تو حاضری مقبول، ایک سلام بھا گیا تو کون سا مرحلہ پھر رہ جاتا ہے۔''

آگے لکھتے ہیں: ''کاش احساسات کو زبان مل جاتی، کاش کیفیتوں کے اظہار کے لیے الفاظ ہوتے تو بتاتا کہ کیا بیتی اور اس دور خرافات میں بھی گنہگاران عالم جب دربار رسالت مآب میں پہونچتے ہیں تو کیسے کیسے مرحلوں سے گذرتے ہیں، کیسے سوز وگداز سے واسطہ پڑتا ہے۔'' (شہنشاہ کونین کے دربار میں، ص۵، ۶)

یہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ایک عاشق رسول کا والہانہ اظہارِ عقیدت ہے جس کی ایک ایک لے فرطِ عقیدت سے پکار رہی ہے۔

تحریر کی طرح تقریر کی زبان بھی بالکل صاف اور نپی تلی تھی۔ مظاہر علوم سہارنپور میں طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے ان کا مقام یاد دلاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فضلائے مدارس سے آپ کیا توقعات رکھتے تھے:

''جو شخص خدا کی سرزمین پر چراغ دین جلانے کے لیے آگے بڑھتا ہے، وہ آسانیوں کا طلب گار نہیں، دشواریوں کا خریدار ہوتا ہے۔ آپ چلے ہیں چراغ بن کر تاریک راہوں میں نور پہنچانے کے لیے، اندھیرے کو اجالے سے بدلنے کے لیے اور میرے عزیزو! کبھی چراغ کے بارے میں سونچا ہے، چراغ کا کام اپنے آپ کو جلانا ہے، دوسروں تک روشنی پہونچانا ہے، اللہ کے رسولؐ نے آپ کا یہی مقام متعین کیا ہے۔ العلماء مصابیح فی الارض، یہ منصب خدمت اور منصب عظمت آپ کو ملا ہے، آپ پگھلتے رہیں گے، جلتے رہیں گے، روشنی بکھیرتے رہیں گے، دوسروں کے لیے راستہ بناتے رہیں گے تو آپ کامیاب، آپ سرخرو۔'' (آپ کی منزل یہ ہے، ص۳۹)

مولانا رحمانی کا شاعرانہ رنگ: مولانا محمد ولی رحمانی جتنے اچھے نثر نگار تھے، اتنے ہی عمدہ شاعر بھی تھے۔ الگ بات ہے کہ ملی کاز نے ان کے اندر کے شاعر کو زیادہ موقعہ نہیں دیا لیکن جب موقعہ ملتا، عمدہ اور برجستہ شعر کہتے۔ نثر کے باب میں جہاں مولانا محمد ولی رحمانیؒ، رشید احمد صدیقی اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے اسیر تھے، وہیں شعر کے باب میں خواجہ میر درد اور جگر مرادآبادی کے قدرداں تھے۔ چوں کہ مولانا کا میدان تصوف بھی تھا لہٰذا سمجھا جاسکتا ہے کہ صوفی شاعر میر درد سے مولانا کا لگاؤ فطری ہوگا۔ لفظی بازی گری اور لفظوں کے الٹ پھیر سے مختلف معانی پیدا کرنا جگر کی خصوصیت ہے۔ مولانا محمد ولی رحمانی ان کی اس لفظی بازی گری کے دل دادہ تھے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا، جب جب موقعہ ملا، آپ کے اندر کا شاعر بیدار ہوگیا۔ چنانچہ جامعہ رحمانی کے ایام طالب علمی میں ایک واقعہ کا راقم الحروف خود عینی شاہد ہے۔ عصر کے بعد آپ جامعہ رحمانی کا جائزہ لینے تشریف لائے، ہم طلبہ بھی ساتھ ہولیے۔ نیچے کی منزل میں مولانا منظر قاسمی رحمانی رہا کرتے تھے، (جو اس وقت ہفتم عربی کے طالب علم تھے) وہ ہر دو تین دن پر کوئی شعر اپنے دروازے پر آویزاں کردیتے تھے۔ اس دن کلیم عاجز کا یہ شعر آویزاں تھا:

میرے حق میں دوستوں کا یہی فیصلہ ہے عاجز کہ گناہ سے ہے بڑھ کر تیرا جرم بے گناہی

مولانا کی نگاہ جوں ہی اس آویزاں شعر پر پڑی، آپ نے فوراً اسی زمین میں چند اشعار لکھ ڈالے، جو بتانے کے لیے کافی ہیں کہ مولانا کتنے پختہ اور فطری شاعر تھے۔ آپ نے وہیں رقم فرمایا:

تیرا جرم بے گناہی، ہے ہر اک گنہ سے بڑھ کر کہ نہ زندگی کو سمجھا، نہ عطائے حق برتر
دیا اس نے خَلق اچھا، دیا اس نے خُلق بہتر ملا لحن بھی سجیلا، حلق میں نور و جوہر
تیری زندگی کا مقصد، ہے حصول علم وحکمت تیرا جرم بس یہی ہے، کہ رہا سبق سے بچ کر
میری آرزو یہی ہے، تیری زندگی ہو روشن میرا درد تو سمجھ لے، میری سن لے رب برتر

اندازہ لگایئے، پیغام سے کس قدر پختہ اور نپا تلا کلام ہے جو بتانے کے لیے کافی ہے کہ مولانا کا شعری ذوق کتنا بلند تھا۔ مولانا منظر قاسمی رحمانی نے آپ کی یہ تحریر بطور یادگار اس وقت فریم کرالی تھی۔ (بقیہ صفحہ ۱۳ر پر)

بیوی کے لئے مناسب رہائش کا انتظام کرنا شوہر پر واجب ہے

قاضی محمد فیاض عالم قاسمی

بیوی کے نفقہ میں اس کے لئے رہائش کا انتظام کرنا بھی شامل ہے، فقہاء کرام نے نفقہ کی تعریف میں رہائش کو بھی شامل کیا ہے۔ بیوی کے لئے رہائش کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو۔ (سورۃ البقرۃ:35) اس آیت کریمہ میں حضرت آدم کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے ساتھ ان کی بیوی کے رہنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بیوی کی رہائش کی ذمہ داری مرد پر ہے، نیز میاں بیوی کو ساتھ میں رہنا چاہئے۔ مطلقہ بیویوں کی رہائش کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں اُن عورتوں کو رکھو۔ (سورۃ الطلاق:6) اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہیکہ عدت کے دوران ان کی رہائش کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ ہے۔ جب شریعت نے مطلقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ رکھا ہے تو حسبِ استطاعت بیوی کی مناسب رہائش کی ذمہ داری بدرجہ اولیٰ شوہر کے ذمہ ہوگی۔

شوہر پر بیوی کے لئے ایسے کمرے کا انتظام کرنا ضروری ہے، جو اس کے لئے خاص ہو، وہ کمرہ اسی کے تصرف میں ہو، وہ اپنے ساز وسامان رکھ سکے، وہ جب چاہے اس میں آمدورفت کرسکے، جب چاہے آرام کرسکے، اس کی چابی بھی اسی کے پاس ہو، نیز اس میں شوہر کے رشتہ داروں میں کوئی بالغ مرد وعورت مثلاً عورت کی ساس سسر، جیٹھ، جیٹھانی، دیور وغیرہ نہ رہیں، اور نہ کثرت سے ان کی آمدورفت ہو۔ (ردالمحتار:599/3)

بیوی کے لئے رہائش کا انتظام کرنے میں اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ پانی کا انتظام ہو، لائٹ اور باتھ روم کا بھی مناسب نظم ہو۔ ایسا مکان نہ ہو جس میں رہائش مشکل ہوجائے یا بیوی بادل نخواستہ رہنے پر مجبور ہو مثلاً اس میں پانی ٹپکتا ہو، یا بے پردگی ہوتی ہو، یا پڑوسی اچھے نہ ہوں۔ اگر کسی بڑے مکان کو پارٹیشن کرکے دو بنائے گئے ہیں تو پارٹیشن ایسا ہوا ایک کمرے کی نارمل آواز بھی دوسرے کمرے تک نہ پہونچے۔ کمرے میں کھڑکی اور روشن دان وغیرہ بھی ہو۔ رہائش کا انتظام میاں بیوی دونوں کے مالی حالات کے مطابق کیا جائے گا۔ شوہر اگر مالدار ہے اور بیوی بھی ویسی ہے تو مالدار جس طرح رہتے ہیں، ویسا انتظام کرنا واجب ہوگا، مثلاً اٹیچ واش روم ہو، کشادہ مکان ہو، ہوادار ہو، گرمی کے موسم میں اے سی کا انتظام ہو۔

اگر دونوں میاں بیوی متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے ہوں تو اسی لحاظ سے انتظام کرنا ضروری ہوگا، مثلاً ممبئی میں چال اور چھوٹی بلڈنگوں میں رہائش کا انتظام کیا جائے گا، گاؤں دیہات میں ایک بڑا مکان ہوتا ہے، اس میں ہر ایک کے لئے الگ الگ روم ہوتے ہیں، کچن ایک ہوتا ہے، واش روم اور طہارت خانہ ایک ہی ہوتا ہے، نل بھی عام طور پر ایک ہی ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر دونوں غریب ہوں تو کام چلانے کے لائق رہائش کا انتظام کرنا لازم ہوگا۔ تاہم شوہر بہتر رہائش کے لئے کوشش کرتا رہے، کیوں کہ رہائش بنیادی ضروریات میں سے ہے۔

اگر شوہر مالدار اور بیوی غریب ہے تب تو پریشانی نہیں ہوگی، کیوں کہ شوہر مالدار والا مکان فراہم کرے گا، لیکن اگر بیوی مالدار گھرانے سے ہے اور شوہر غریب ہے ایسی صورت مین شوہر کو چاہئے کہ جہاں تک ہوسکے اچھی سے اچھی رہائش کا انتظام کرے، اور بیوی کو چاہئے کہ صبر وقناعت سے کام لے، ثواب اور اللہ تعالیٰ سے وسعتِ مالی کی امید رکھے۔

میاں بیوی اوران کے متعلقین کے باہمی رشتے قاعدوں اور ضابطوں کے بجائے رابطوں سے نبھائے جائیں تو یہ رشتے کامیاب رہتے ہیں، اسلام نے ہر مسلمان کو تمام تعلق داروں سے حسن معاشرت کا حکم دیا ہے، جیسے بیوی پر شوہر کے حقوق اور اس کے والدین کا احترام وتوقیر لازم ہے، اسی طرح شوہر کے ذمہ بھی بیوی کے حقوق لازم ہیں، اور شوہر کے والدین کی بھی ذمہ داری ہے کہ آنے والی بہو کو اپنی حقیقی بیٹی سمجھتے ہوئے اس سے وہی سلوک وبرتاؤ رکھیں جو حقیقی بیٹی سے رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں جانبین کو حقوق کے مطالبے کے بجائے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کرنا چاہیے، بیوی کو چاہیے کہ اپنی ساس کی ہر بات برداشت کرے، ان کی ہر نصیحت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرے اور شوہر کے والدین کی خدمت کرے، یہ میاں بیوی دونوں کی سعادت اور اخروی نیک بختی ہے، یہ ہمت اور حوصلہ اور شوہر کے بزرگ والدین کے ساتھ رہ کر ان کی خدمت بیوی کو لائق رشک بنا دیتا ہے، نیز اس کی برکتوں کا مشاہدہ پھر میاں بیوی خود بھی کرتے ہیں۔ اس لیے میاں بیوی حتی الامکان اسی کی کوشش کریں کہ والدین کے ساتھ رہ کر ان کی خدمت کریں، اگر ان سے کوئی سخت یا ناروا بات بھی ہوجائے تو اس پر صبر کریں اور اللہ سے اجر کی امید رکھیں۔

تاہم اگر بیوی میں اتنا حوصلہ نہیں ہے تو شرعاً اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ شوہر کے والدین کے ساتھ ہی رہے، بلکہ شریعت نے عورت کو الگ رہائش کا حق دیا ہے، ایسی صورت میں شوہر کے والدین اور اس کی بیوی دونوں کے حق میں روزانہ کی اذیت سے بہتر یہ ہے کہ الگ رہائش اختیار کرلیں، لیکن علیحدہ رہائش اختیار کرنے میں شوہر کے والدین سے قطع تعلق کی نیت نہ ہو، بلکہ نیت یہ ہو کہ ساتھ رہ کہ والدین کو جو اذیت ہم سے پہنچتی ہے اور جو بے ادبی ہوتی ہے اس سے بچ جائیں، غرض خود کو قصوروار سمجھ کر الگ ہونا چاہیے والدین کو قصوروار ٹھہرا کر نہیں۔ اور الگ ہونے کے بعد بھی شوہر کے والدین کی ہر خدمت کو اپنی سعادت سمجھا جائے۔ بیوی کے لیے الگ رہائش کا بندوبست ایک علیحدہ معاملہ ہے اور والدین کے ساتھ محبت کا اظہار اور ان کے ساتھ تعلق اور میل جول رکھنا ایک علیحدہ معاملہ ہے، اولاد کے دل میں والدین کی محبت ہونی ہی چاہیے اور والدین کے حقوق کی ادائیگی اولاد پر فرض بھی ہے۔ شوہر بیک وقت دونوں امور کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔ بیوی کو علیحدہ رہائش دینے سے یہ نتیجہ کہاں نکلتا ہے کہ والدین کی محبت میں یا ان کے ساتھ میل جول میں کسی طرح بھی کمی کرے!! نہ ہی بیوی کی الگ رہائش کا یہ مطلب ہے کہ والدین کو چھوڑ کر ہر وقت بیوی کے پاس موجود رہے، جیسے اپنے کاروبار اور ضروریات کے لیے انسان دن بھر گھر سے باہر رہتا ہے، اسی طرح والدین کی خدمت، ان سے میل جول، ان کے حقوق کی ادائیگی کی ترتیب بھی بنائی جاسکتی ہے، یہ کوئی ایسا کام نہیں کہ جو ناممکن یا بہت مشکل ہو، اللہ تعالی نے انسان کو اسی نظام سے منسلک پیدا کیا ہے، اور اسی دنیا میں انہیں تعلقات کو نبھاتے ہوئے اس نے کامیاب زندگی گزارنی ہے، بیوی کا مطالبہ بھی اپنی بساط کے مطابق پورا کرے اور والدین کے ساتھ میل جول بھی بیک وقت برقرار رکھے، دونوں باتیں، گو کہ ہمت اور شخصی استقلال چاہتی ہیں، لیکن یہ مشکل یا ناممکن نہیں ہیں۔ (مستفاد از: دارالافتاء جامعہ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

بعض دفعہ گھر میں صرف بوڑھے ماں باپ ہوتے ہیں اور ساتھ کوئی چھوٹا بچہ ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر بیوی الگ مکان کا انتظام کرنے کے لئے کہے تو کیا کیا جائے؟ تو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ایک ساتھ رہنے میں کوئی تکلیف نہیں ہے تو اس کا مطالبہ درست نہیں ہے، اور اگر تھوڑی بہت تکلیف ہے تو اس دنیاوی زندگی میں اور انسانوں کے بیچ رہنے میں ہر گھر تھوڑی بہت تکلیف ہوتی ہے۔ عورت کو برداشت کرلینا چاہئے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دو چیزیں ہیں: ایک ہے عدل اور ایک ہے احسان، میاں بیوی کا رشتہ عدل کے بجائے احسان پر زیادہ پائدار ہوتا ہے، بیوی اپنی خواہشات کی قربانی دے گی تو ایک دن وہ اسی گھر کی ساس اور ملکہ بنے گی۔ ایسی صورت میں بیوی کو چاہئے کہ الگ مکان کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر وہ خدانخواستہ الگ مکان کا مطالبہ کرتی ہے کہ اس کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے وہ اپنے شوہر کو اپنے ماں باپ سے دور کرنے کی کوشش کررہی ہے پس کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ ساس بنے گی تو اس کے بچے بھی اپنی بیویوں کو لیکر الگ نہ ہوجائیں۔ اس کے باوجود اگر بیوی اپنے مطالبہ پر مصِر ہو تو مرد کو چاہئے کہ ماں باپ سے قریبی جگہ پر گھر کا انتظام کرے تاکہ وہ دونوں کی نظروں کے سامنے رہے اور بوقت ضرورت ان کی فوراً خدمت کرسکے۔ جوائنٹ فیملی میں بعض دفعہ بیوی کو واقعی تکلیف ہونے لگتی ہے، شوہر کے رشتہ دار مثلاً اس کی ماں بہن (نند) وغیرہ ستاتی ہیں، ایسی صورت میں بیوی الگ مکان کا مطالبہ کرسکتی ہے، مرد پر لازم ہے کہ بیوی کے لئے الگ مکان کا انتظام کرے۔ لیکن اگر بیوی نے صبر وقناعت سے کام لیا تو اسے بہت ثواب ملے گا۔ (ہندیہ:556/1، فتاویٰ قاضیخان:209)

تاہم اگر شوہر تکلیف دیئے جانے کا انکار کرے یا اس کی ماں اور بہنیں انکار کریں، یا الٹا اسی پر الزام لگائے کہ یہی ہم پر ظلم کرتی ہے۔ تو معاملہ دارالقضاء میں پیش کیا جائے گا، قاضی تحقیق حال کے بعد فیصلہ کرے گا۔

نیر واضح رہے کہ بیوی کا اپنے نام پر مکان لینے کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ بیوی کی رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے، خواہ کرایہ کے ذریعہ ہو یا ذاتی مکان ہو۔ البتہ اگر شوہر بیوی کے نام پر کوئی مکان خریدتا ہے تو اس بات کی صراحت کردے کہ کیا وہ صرف اس کے نام پر لے رہا ہے یا خرید کر بیوی کو ہدیہ کررہا ہے، یا صرف رہنے کے واسطے دے رہا ہے؛ تاکہ بعد میں جھگڑے کا سبب نہ بنے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان رہائش سے متعلق جھگڑا ہوجائے تو معاملہ دارالقضاء میں پیش کیا جائے گا، اور قاضی دونوں کے حالات کی تحقیق کے بعد مناسب رہائش کا حکم دے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ کی شان میں چند قطعات

مفتی تھے بے مثال وہ ناظم عظیم تھے	تھے ترجمان خوب مثال عدیم تھے
عثمان وقت بھی تھے غنی بھی تھے محترم	ہردلعزیز تھے وہ دلوں میں مقیم تھے
بیحد فعال مخلص و اعلی دماغ تھے	مولانا علم دین کا روشن چراغ تھے
اقدام بے شمار بتاتے ہیں اے شکیل	مفتی غنی حسین امارت کا باغ تھے
ترجمان بھی وہ مدیر نقیب تھے	ہر شخص کو عزیز تھے مونس حبیب تھے
کھاتے نہیں تھے خوف کسی کا کبھی ذرا	ذی علم ذی شعور صحافی خطیب تھے

شکیل سہسرامی

بقیہ : مولانا سید محمد ولی رحمانی کی ادبی خدمات......

نعت گوئی دو دھاری تلوار ہے جہاں جذبات کو قابو رکھنے کے ساتھ مقام الوہیت ورسالت کے فرق کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے، مولانا رحمانی نے اس فن میں بھی کامیاب طبع آزمائی کی ہے:

ہر سانس میں وہ خوشبو، ہر فکر میں وہ روشن	ہر گام پر وہ پیکر، ہر ذرہ میں وہ روشن
ہر سمت وہی جلوہ، ہر نقش میں بس وہ ہے	ہر لفظ میں ہے پنہاں، ہر خیر کا وہ خرمن
وہ شہر جمال اللہ، جس شہر کی راہوں میں	اک نور دکھائی دے، ہر روزن وہر چلمن
آیا ہوں یہاں تک تو، اب ویسے نہ لوٹوں گا	بس دیکھ لوں جی بھر کے، من چاہے ترا درشن
اک راہی سوئے بطحا، ناکارہ وآوارہ	دنیا کی نہیں چاہت، قربان ہیں تن من دھن
حاضر ہے حضوری کو، آقا کی زیارت کو	ٹک دیکھتا جاتا ہے، ہٹ جائے ذرا چلمن
تھوڑا سا سرک جاتا، کچھ دیر کھسک جاتا	عقبٰی بھی سنور جاتی، کرلیتا ترے درشن
للہ کرم کیجیے، بندہ پہ رحم کیجیے	ہوجائے نظر دل پر، بن جائے ترا درپن

اسی طرح 'یوم بہار' کی تقریب کے موقعہ پر آپ کے پرمزاح اور دلچسپ منظوم کلام نے سامعین کو خوب محظوظ کیا۔ یہ کلام بہادر شاہ ظفر کی مشہور غزل (لگتا نہیں ہے دل مرا اب اجڑے دیار میں) کی زمین میں ہے لیکن مزاحیہ رنگ اکبر الہ آبادی کا نمایاں ہے۔ ظفر اور اکبر دونوں کے کلام کا لطف ایک ہی جگہ ملاحظہ فرمایے:

کیا کیا ہوا ہے دوستو! یوم بہار میں	بجلی گئی ہوئی ہے تمنائے یار میں
چاول چنے کا ریٹ بھی مت پوچھیے حضور	ابلی غذا کو کھا کے جیو پھر بہار میں
رشوت کا شور سن کے میرے کان پک گئے	ہم باز آئے ایسی ترقی کے غار میں
لیکن سڑک کا حال بہت خوب ہے حضور	گھر چھوڑ کے سڑک پہ بسو اک قطار میں
پڑھوالیا ہے شعر، سفر خرچ ہے کہاں	کھائے بغیر سوئیں گے بیلن بازار میں

آپ نے اپنے اشعار کو ایک ڈائری میں بھی جمع کردیا تھا، کاش وہ ڈائری مل جاتی تو ان کا بڑا شعری سرمایہ منظر عام پر آتا۔ لیکن جو کچھ ہے، خواہ وہ مکاتیب کے حوالے سے ہو یا شعری، نثری اور تصنیفی خدمات کی فہرست ہو، وہ ان کے ادبی قد وقامت کی تعیین اور ان کی ادبی حیثیت کو تسلیم کرنے کے لیے کافی ہے۔

ملکی حالات پر سپریم کورٹ کو تشویش

عمیر کوٹی ندوی

''ہمارا دیس کدھر جارہا ہے؟''۔ یہ سوال سپریم کورٹ نے کیا ہے۔اس وقت یہی سوال ملک کا ہر سنجیدہ اور وطن دوست شہری بھی کررہا ہے۔لیکن جواب میں گہرا سناٹا ہے۔سپریم کورٹ اس سے پہلے بھی یہ سوال متعدد بار کرچکا ہے۔معاملہ خواہ کوئی بھی رہا ہو،لیکن ہر بار جواب میں سناٹا ہی رہا ہے۔اس کی وجہ سب جانتے ہیں۔گزشتہ چند برسوں سے میڈیا اپنی ذمہ داری سے پیچھے ہٹ گیا ہے۔اس نے جن لوگوں سے پوچھا جانا چاہئے تھا ان سے سوال کرنا چھوڑ دیا ہے۔جن کی طرف سے اسے خود سوال کرنا اور ان کی زبان بننا چاہئے تھا اس نے الٹا انہیں کو نشانہ پر لے لیا ہے۔اس وقت ملک اور شہریوں کو درپیش مسائل اور چیلنجز سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اس نے اپنے لئے ایک راہ چن لی ہے۔راہ نفرت انگیز نشریات،اشتعال انگیز ڈبیٹ، پروپیگنڈہ پر مبنی رپورٹنگ،ایک مخصوص طبقہ کے خلاف ماحول بنانے، اسے بدنام کرنے،اس کے خلاف لوگوں کا ذہن بنانے اور انہیں مشتعل کرنے کے علاوہ ایک خاص طبقہ کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے جھوٹ کو فروغ دینے اور سچ کو چھپانے کی ہے۔لوگ میڈیا کی اس روش سے ناواقف نہیں ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ میڈیا ایسا کیوں کررہا ہے۔

لیکن 'خوف' یا 'فائدہ' کی وجہ سے اختیار کی جانے والی میڈیا کی اس روش کا سماج پر کیا اثر پڑ رہا ہے،اصل مسئلہ یہ ہے جو توجہ چاہتا ہے۔سپریم کورٹ نے 21 ستمبر کو نفرت انگیز تقاریر سے متعلق دائر درخواستوں کی سماعت کرتے ہوئے کہا کہ''سب سے زیادہ نفرت انگیز تقاریر میڈیا اور سوشل میڈیا پر ہوتی ہیں،ہمارا ملک کہاں جارہا ہے''۔جسٹس کے ایم جوزف اور ہری کیش رائے کی بنچ نے مزید یہ بھی کہا کہ''سیاسی جماعتیں اس سے سرمایہ کماتی ہیں اور ٹی وی چینلز ایک پلیٹ فارم کے طور پر کام کررہے ہیں۔زیادہ تر نفرت انگیز تقاریر ٹی وی،سوشل میڈیا پر ہورہی ہیں۔بدقسمتی سے ہمارے پاس ٹی وی کے حوالے سے کوئی ریگولیٹری میکانزم نہیں ہے۔انگلینڈ میں ایک ٹی وی چینل پر بھاری جرمانہ عائد کیا گیا۔بدقسمتی سے ہندوستان میں ایسا نظام موجود نہیں ہے۔اینکرز کو بتایا جائے کہ اگر آپ غلط کریں گے تو اس کے نتائج بھگتنے ہوں گے۔مسئلہ تب پیدا ہوتا ہے جب آپ کسی پروگرام کے دوران کسی شخص کو کچلتے ہیں۔جب آپ ٹی وی آن کرتے ہیں تو ہمیں یہی ملتا ہے۔ہم اس سے جڑ جاتے ہیں......اس کا فائدہ سیاست دان اٹھا رہے ہیں۔جمہوریت کے ستونوں کو آزاد خیال کیا جاتا ہے۔ٹی وی چینلوں کو ان کا شکار نہیں ہونا چاہیئے''۔

سپریم کورٹ نے مذکورہ باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ''ایسے ماحول میں مرکز خاموش کیوں ہے؟ایک سخت ریگولیٹری سسٹم کو ترتیب دینے کی ضرورت ہے''۔یہ اور اس معاملہ پر کہی گئی سپریم کورٹ کی دیگر باتیں پورے طور پر اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ عدالت اس معاملہ کی سنگینی سے خوب واقف ہے۔اس کے سامنے یہ پہلو بھی واضح ہے کہ میڈیا ایسا کیوں کررہا ہے۔عدالت کا یہ کہنا کہ''سیاسی جماعتیں اس سے سرمایہ کماتی ہیں اور ٹی وی چینلز ایک پلیٹ فارم کے طور پر کام کررہے ہیں'' اور پھر یہ کہ''اس کا فائدہ سیاست دان اٹھا رہے ہیں'' اسی حقیقت کو بیان کررہا ہے۔اس حقیقت کو لوگ بھی جانتے ہیں لیکن مسئلہ سیاست کا ہے خاص طور پر وہ سیاست جسے اقتدار میں ہونے کی وجہ سے اختیارات حاصل ہوں ظاہر ہے کہ 'فائدہ' کے مواقع بھی اسے ہی حاصل ہوں گے۔اس وقت پورے ملک میں جو ہورہا ہے وہ سب دیکھ رہے ہیں۔ایک خاص فکر،نظریہ کے حامل اور خاص طرز سیاست کے لوگ ایک عرصہ سے جس راہ پر چل رہے ہیں اس نے انسانی زندگی کو بہت متاثر کیا ہے۔ملک کے تمام شعبے اس کے اثر سے بچ نہیں پائے ہیں۔خود عدالت نے بھی عدلیہ پر پڑنے والے اس کے اثرات کا ایک سے زائد بار ذکر کیا ہے اور اس پر کبھی اپنی تشویش تو کبھی برہمی کا اظہار بھی کیا ہے۔اس سب کے باوجود سپریم کورٹ کا یہ سوال پھر بھی قائم ہے کہ''ہمارا دیس کدھر جارہا ہے؟''۔ملک کے فکرمند اور سنجیدہ لوگوں کو لاحق تشویش اسی بات پر ہے کہ میڈیا کی بے سمتی نہیں بلکہ اپنے کردار سے انحراف حقیقت میں ملک کی سمت کو متاثر کررہا ہے اور یہ سوال پیدا کررہا ہے کہ وہ''کدھر جارہا ہے''۔ظاہر سی بات ہے کہ نفرت کا پروسا جانا اور وہ بھی پوری شدت،منصوبہ بندی اور تسلسل کے ساتھ کسی بھی صورت میں ملک وسماج کے لئے فائدہ مند نہیں ہوسکتا ہے۔یہ خود ان لوگوں کے لئے بھی فائدہ مند نہیں ہے جنہوں نے اس وقت اس کو اقتدار،اختیار اور دولت وسرمایہ حاصل کرنے کے لئے اپنایا ہے۔اس لئے کہ برائی تو برائی ہوتی ہے اور اس سے وقتی طور پر تو مقصد حاصل ہوتا ہوا نظر آتا ہے،لیکن نتیجہ کے طور پر اس کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔اس حقیقت کو انسانی تاریخ نے ہر دور میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن انسان اپنے وقتی فائدہ کے لئے اس سے سبق سیکھنے کو تیار نہیں ہے۔کسی بھی ملک میں اگر کوئی ادارہ غلط رخ پر جارہا ہو یا اسے غلط رخ پر لے جانے کی کوشش کی جارہی ہو تو پھر حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس پر توجہ دے اور حق،انصاف،مساوات کو قائم کرنے،برائی،ظلم، سرکشی کو روکنے اور قانون کی حکمرانی کو یقینی بنانے کی اپنی بنیادی ذمہ داری کو ادا کرے۔یہی وجہ ہے کہ سپریم کورٹ نے اس تعلق سے قائم گہرے سناٹے اور حکومت کی خاموشی پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا ہے کہ''مرکز کیوں خاموش ہے،سامنے کیوں نہیں آتا؟''۔یہ سوال بنیادی ہے اور پھر عدالت کی طرف سے اس سوال کا کیا جانا اس کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔

بچوں کا سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کا استعمال ایک لمحہ فکریہ

مسعود عالم

سوشل میڈیا اطلاعات کا تیز ترین ذریعہ ہے جس کی بدولت دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے۔اب ہم جہاں بھی ہوں، جو بھی معلومات درکار ہوں، اِک پل میں ہمیں موصول ہو جاتی ہیں۔سوشل میڈیا کے مثبت اور منفی اثرات تیزی سے پھیل رہے ہیں۔جب یہ ایک حقیقت بن چکی ہے کہ اس کے بغیر زندگی گزارنا اب مشکل ہے تو ایسے میں لازم ہے کہ والدین کو پوری طرح اس بات کی آگاہی ہونی چاہئے کہ سوشل میڈیا کے مثبت اور منفی اثرات کیا ہیں اور اس پر موجود معلومات اور مواد کی حقیقت اور سچائی کو کس طرح جانچا جا سکتا ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ جو بات اہم ترین ہے' وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی نوجوان نسل کی تربیت کرتے وقت ان کو غلط اور صحیح، سچ اور جھوٹ، جائز اور ناجائز کے درمیان فرق کے ساتھ مثبت اور منفی رویوں کی پہچان بھی سکھانا ہوگی۔

سوشل میڈیا دو دھاری تلوار ہے یعنی اس کے فوائد بہت ہیں تو نقصانات بھی بہت۔ بات کریں فوائد کی تو دورِ حاضر میں سوشل میڈیا سیکھنے کا آسان ترین، اور سب سے بڑا ذریعہ بن چکا ہے۔ ہر شعبے کی معلومات ہمارے ایک کلِک کے فاصلے پر دستیاب ہیں۔تاہم اِس کا حد سے زیادہ یا بے مقصد استعمال نہ صرف وقت کا ضیاع ہے بلکہ جسم و ذہن پر بھی خطرناک اثرات ڈالتا ہے۔اِس ضمن میں والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ایسی ذہنی تربیت کریں کہ وہ سوشل میڈیا کا مثبت استعمال کریں اور اس کے منفی اثرات سے بچیں۔اسمارٹ فون کی لت کی وجہ سے بچے بھی پر تشدد ہو رہے ہیں اور ان کی نیند کا وقت بھی خراب ہو رہا ہے۔کئی معاملات میں تو والدین سے چھپ کر بھی سوشل میڈیا چلا رہے ہیں۔انگلینڈ کی ڈی مونٹ فورڈ یونیورسٹی کی ایک تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ 10 سال کی عمر میں سوشل میڈیا پر بچوں کی سرگرمیاں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ وہ روزانہ تقریباً پانچ گھنٹے سوشل میڈیا پر سرگرم رہتے ہیں۔اس میں دو گھنٹے رات میں اور تین گھنٹے دن میں گزارے جاتے ہیں۔سوشل میڈیا پر متحرک رہنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بچے مشہور لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں اور سوشل میڈیا پر ان کے فیس بک اور انسٹا اکاؤنٹس کو فالو کرتے ہیں۔اس کے علاوہ بچے یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ ان کے دوست کیا کر رہے ہیں اور وہ سوشل میڈیا کے ذریعے ان سے جڑنا چاہتے ہیں۔اسمارٹ فون گیمنگ کے لیے بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ بہت سے ایسے واقعات دیکھے جا رہے ہیں جہاں بچے گیمنگ کے عادی ہو چکے ہیں اور وہ گھنٹوں فون پر گزار رہے ہیں۔گھر والوں کی غیر موجودگی میں یہ زیادہ ہو رہا ہے۔تحقیق میں شامل سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ 10 سال تک کے بچوں پر کی گئی ہے تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ جن کے پاس ذاتی فون تھا وہ بچے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ سوشل میڈیا کے ذریعے دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور ان کے دوست اور دیگر جاننے والے کیا کر رہے ہیں۔سوشل میڈیا کی لت بچوں کی ذہنی صحت کو بھی متاثر کرتی ہے۔ ماہر نفسیات کے مطابق بچے اکثر اپنے فیس بک اور انسٹاگرام اکاؤنٹس کی نیوز فیڈ چیک کرتے ہیں۔کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ہر 10 سے 15 منٹ میں ایک عمل شروع ہو جاتا ہے۔ بار بار سوشل اکاؤنٹس دیکھنے کی یہ عادت دماغی صحت کو خراب کرنے لگتی ہے۔ بہت سے معاملات میں گم ہونے کے خوف کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔سوشل میڈیا کی دنیا کو حقیقی زندگی کی طرح دیکھنا شروع کریں۔

سوشل میڈیا کے علاوہ بچوں میں فون پر گیمز کھیلنے کی لت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔گزشتہ مہینوں میں ملک میں ایسے کئی واقعات سامنے آئے ہیں، جہاں ایک بچے نے گیم کھیلنے سے انکار پر خاندان کے کسی فرد کو قتل کر دیا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ گیمز کی لت کی وجہ سے بھی بچوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کمزور ہوتی جارہی ہے۔کئی بار بچے باہر کی دنیا کو کھیل کا حصہ سمجھنے لگتے ہیں اور اپنی اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ گیم کھیلنے کی وجہ سے بچوں میں نیند کی کمی بھی ہو رہی ہے۔بچوں میں سوشل میڈیا کی بڑھتی ہوئی لت نے ان کی جسمانی سرگرمیاں کم کر دی ہیں۔اسکول سے آنے کے بعد بچوں کا زیادہ وقت فون پر گزرتا ہے۔جسمانی سرگرمی کی کمی کی وجہ سے ان میں موٹاپے کا مسئلہ بڑھتا جا رہا ہے۔کمر درد اور تھکاوٹ کا مسئلہ بھی دیکھا جا رہا ہے۔ان تمام چیزوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ بچوں میں سوشل میڈیا کی بڑھتی ہوئی لت کو کیسے کم کیا جائے۔ کیونکہ اگر ابھی سے اس مسئلے کے حل کے لیے اقدامات نہ کیے گئے تو یہ مستقبل میں ایک بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔اس حوالے سے ماہرین کا کہنا ہے کہ والدین کو چاہیے کہ وہ دن بھر بچوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔ بچے کو پڑھائی کے علاوہ کسی اور کام کے لیے فون یا لیپ ٹاپ نہ دیں۔فون کال کا شیڈول بنائیں۔اگر آپ کے بچے کو فون کے ساتھ کوئی کام نہیں ہے تو اسے اس سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔اپنے بچے کو باہر کھیلنے کی عادت ڈالیں۔انہیں ہر شام ان کے کسی کھیل کے میدان یا پارک میں لے جائیں۔جسمانی سرگرمیاں بڑھیں گی تو فون کا استعمال بھی کم ہو جائے گا۔اگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ بچہ گھر میں سوشل میڈیا استعمال کر رہا ہے تو اسے روکیں اور اس کے نقصانات کے بارے میں رہنمائی کرتے رہیں۔ چھ سے بارہ سال کے بچوں کیلئے رات دن ایسی گیمز ایجاد ہو رہی ہیں جن میں تشدد، قتل و غارت اور جنسی بے راہ روی جیسی سرگرمیاں بآسانی بچوں تک پہنچ رہی ہیں جس کی وجہ سے بچے ضدی، تشدد پسند اور تنہائی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں ساتھ ہی مسلسل بیٹھ کر گیمز کھیلنے یا انٹرنیٹ کے غیر ضروری استعمال سے جسمانی ورزش اور کھیل کم ہو کے رہ گیا ہے جو کہ بچوں کی جسمانی اور ذہنی نشو نما کیلئے بہت نقصان دہ ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمی کارکردگی بھی متاثر ہو رہی ہے۔ الیکٹرانک گندگی کے اس دور میں سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح اپنے بچوں کو ہر ممکنہ حد تک محفوظ رکھ سکتے ہیں چونکہ اتنے زیادہ ایکسپوژر میں مکمل اجتناب تو مشکل ہی نظر آتا ہے مگر کوشش کریں کہ بچے جب بھی موبائل یا ٹیبلٹ میں انٹرنیٹ استعمال کریں تو آپ ان کی وقتاً فوقتاً نگرانی کریں کوشش کریں کہ بچے کم سے کم ویڈیو گیمز اور زیادہ سے زیادہ فزیکل گیمز میں حصہ لیں۔ بچوں کے کمرے میں ٹی وی یا کمپیوٹر رکھنے سے گریز کریں کمپیوٹر، ٹی وی ٹیبلٹ اور ایسی تمام تر سہولیات کا استعمال صرف ایسی جگہ تک محدود کریں جہاں آپ مسلسل نظر رکھ سکیں چونکہ زیادہ روک ٹوک سے بچے باغی ہو جاتے ہیں، لہذا انہیں پیار سے سمجھائیں اور ان کو خود سے بہت قریب رکھیں تا کہ وہ اپنی زندگی میں ہونے والا کوئی بھی مسئلہ محض آپ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے چھپا کر خود کسی مشکل میں نہ پڑ جائیں الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے ذریعے دنیا کی ہر برائی خوبصورت ترین طریقے سے ہمارے بچوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے ان کے ذہن معصوم ہیں، لہٰذا یہ ماں باپ اور تمام بالغ افراد کی ذمہ داری ہے کہ نہ صرف اپنے بچوں بلکہ دوسروں کے بچوں کو بھی ان آفات سے بچانے کیلئے موثر اقدامات کریں، کیونکہ یہ معاشرتی مسئلہ ہے یہی بچے، یہی نوجوان ہمارا اور قوم کا مستقبل ہیں اس لئے ہمیں انہیں مثبت سرگرمیوں سے روشناس کرانے اور ہر طرح کی منفی سرگرمیوں سے محفوظ رکھنے کی ممکنہ کوشش کرنی ہے کام واقعی مشکل ہے اور بہت سارا وقت بھی درکار ہے مگر اپنے کل کو محفوظ کرنے کیلئے آج کا کچھ حصہ تو قربان کر سکتے ہیں۔ نتائج ان شاء اللہ پر امید ہوں گے۔

ہفتۂ رفتہ

محمد اظہار

جسٹس چندر چوڑ ہوں گے نئے چیف جسٹس

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس یو یوللت آئندہ ماہ نومبر میں سبکدوش ہو جائیں گے اور سینئریٹی کے لحاظ سے اور کالجیم کے نظام کے تحت فی الحال یو یوللت کے بعد سب سے سینئر جج جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ کو ملک کا نیا چیف جسٹس بنایا جائے گا جس کے لئے صدر جمہوریہ ہند کے پاس جلد ہی سپریم کورٹ کالجیم کے ذریعہ تجویز و سفارش بھیجی جائے گی اور پھر صدر جمہوریہ سے سفارش منظور ہوتے ہی اس سلسلے میں ان کے تقرر کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے گا۔ 9 نومبر کو جسٹس چندر چوڑ ملک کے نئے چیف جسٹس آف انڈیا کے طور پر عہدہ سنبھال سکتے ہیں۔ غور طلب ہے کہ چیف جسٹس یو یوللت کی طرح اور ان کی قیادت میں جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ بھی ان دنوں عدالت عظمٰی میں مقدمات کی سماعت کافی تیزی سے کر رہے ہیں۔ جمعہ کو تقریباً 11 گھنٹے تک مسلسل سماعت کرکے انہوں نے 75 زیر التوا مقدمات کے فیصلے صادر کر دیے ہیں۔ (ایجنسی)

گائے کو قومی جانور قرار دینے کی عرضی پر سپریم کورٹ برہم

سپریم کورٹ نے اس درخواست پر سماعت کرنے سے انکار کر دیا جس میں گائے کو قومی جانور قرار دینے کے لئے مرکز کو ہدایت دینے کی درخواست کی گئی تھی۔ جسٹس ایس کے کول اور جسٹس ابھے ایس اوکا نے عرضی گزار سے پوچھا کہ اس سے کون سا بنیادی حق متاثر ہو رہا ہے۔ بنچ نے کہا کہ کیا یہ عدالت کا کام ہے؟ آپ ایسی درخواستیں کیوں داخل کرتے ہیں کہ ہمیں جرمانہ لگانا پڑے؟ کس بنیادی حق کی خلاف ورزی ہوئی؟ اگر آپ عدالت میں آئے ہیں، تو کیا منفی نتیجہ کی پرواہ کیے بغیر ایسا کرنا چاہیے؟ درخواست گزار کی طرف سے پیش ہونے والے وکیل نے عدالت میں کہا کہ گائے کا تحفظ بہت ضروری ہے۔ بنچ نے وکیل کو متنبہ کیا کہ وہ جرمانہ لگائے گی، جس کے بعد انہوں نے درخواست واپس لے لی اور کیس خارج کر دیا گیا۔ سپریم کورٹ غیر سرکاری تنظیم گوونش سیوا سدن اور دیگر کی طرف سے دائر ایک پی آئی ایل کی سماعت کر رہا تھا۔ اس میں مرکز سے گائے کو قومی جانور قرار دینے کی ہدایت دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ گائے کو قومی جانور قرار دینے کا مطالبہ پرانا ہے۔ گذشتہ سال دسمبر میں بی جے پی کے ایک ممبر پارلیمنٹ کروڑی لال مینا نے راجیہ سبھا میں گؤکشی پر روک لگانے کے لئے ایک مرکزی قانون بنانے کی مانگ کی تھی۔ (پی ٹی آئی)

100 سے زائد مدارس یوگی حکومت کے نشانے پر

اتر پردیش میں تقریباً 100 سے زائد مدرسے یوگی حکومت کے نشانے پر ہیں۔ ریاستی حکومت کی جانب سے غیر قانونی طریقے سے چل رہے مدرسوں کی رپورٹ سونپنے کی تاریخ اب نزدیک آ رہی ہے۔ یو پی مدرسہ بورڈ کے تحت علی گڑھ ضلع میں 125 مدارس چلائے جا رہے ہیں، ان میں 4 سرکاری اور دیگر منظور شدہ پرائیویٹ مدرسے ہیں۔ ان مدارس میں تقریباً 10 ہزار سے زائد طلبا زیر تعلیم ہیں۔ محکمہ اقلیتی فلاح ان مدارس کی نگرانی کرتا ہے۔ گذشتہ دنوں یوگی حکومت نے پورے اتر پردیش میں غیر منظور شدہ مدرسوں کو غیر قانونی طریقے سے چلنے والا مدرسہ قرار دے کر اس کی جانچ کی ہدایت دی تھی۔ (ایجنسی)

ایچ ڈی ایف سی بینک نے تاجروں کے لئے اسمارٹ ہب کاروبار کا آغاز کیا

ایچ ڈی ایف سی بینک، ہندوستان کے سب سے بڑے پرائیویٹ سیکٹر کے بینک جس میں تاجروں کے حصول کے کاروبار میں مارکیٹ کی قیادت ہے، نے اسمارٹ ہب ویاپار مرچنٹ ایپ کے آغاز کا اعلان کیا، جو کہ تاجروں کی روزمرہ کی کاروباری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک جامع ادائیگی کا حل ہے۔ اور بینکنگ حل۔ اسمارٹ ہب ویاپار ایچ ڈی ایف سی بینک کے صارفین کے لئے فور، ڈیجیٹل اور پیپر لیس مرچنٹ کو آن بورڈنگ کے قابل بناتا ہے اور تاجروں کو ادائیگی کے مختلف طریقوں، جیسے کارڈز۔ ٹیپ اینڈ پے، UPI اور QR کوڈز کے ذریعے انٹر آپریبل ادائیگیوں کو قبول کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس کے ذریعے، تاجر ادائیگی کے لنکس بھیج سکتے ہیں اور موبائل یا ای میل کے ذریعہ رقم کے لئے کال کر سکتے ہیں تاکہ ادائیگی کو دور سے ممکن بنایا جا سکے۔ UPI کے ذریعے موصول ہونے والی رقم کو فوری طور پر بینک اکاؤنٹ میں منتقل کیا جا سکتا ہے، تاکہ تاجر کو فوری طور پر فروخت کی رسید مل جائے۔ (پریس ریلیز)

پٹنہ میں ڈینگو کی لہر

بہار کی راجدھانی پٹنہ میں ڈینگو کے قہر سے لوگ پریشان ہیں۔ ہر علاقے میں ڈینگو پیر پھیلا چکا ہے۔ ضلع مجسٹریٹ ڈاکٹر چندر شیکھر سنگھ نے ڈینگو کی روک تھام کے لئے سبھی پرائمری ہیلتھ سنٹروں، سمودائک ہیلتھ مراکز، ریفرل اسپتالوں اور شہری پرائمری ہیلتھ سنٹروں میں ریپڈ رسپانس ٹیم کو فعال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ضلع ویکٹر مرض کنٹرول افسر سے حاصل رپورٹ کے مطابق ڈینگو کے 95 معاملے اور اس سال ابھی تک 1939 معاملے سامنے آئے ہیں۔ پوری ریاست میں ڈینگو سے بیمار ہونے کے خبر مل رہی ہیں۔ ڈی ایم نے ہدایت دی کہ فاگنگ اور ٹیمیفاس کا لگاتار چھڑکاؤ کیا جائے۔ ڈی ایم نے ڈینگو اور چکن گنیا، بخار کو دیکھتے ہوئے قومی گائڈ لائن کے مطابق کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے سول سرجن کو کہا کہ ان بیماریوں کے علامات میں کیا کریں کیا نہ کریں کا بڑے پیمانے پر تشہیر کی جائے۔ (اسٹاف رپورٹر)

طب و صحت

سبزیاں کھائیے ــــ صحت بنائیے

روزانہ سبزیوں کا استعمال نہایت مفید ہے۔ یہ فائبر، فولک ایسڈ، پوٹاشیم، معدنیات، وٹامنز اور دیگر کئی غذائی اجزاء سے بھرپور ہوتی ہیں۔ سبزیوں میں کاربوہائیڈریٹس کی مقدار بھی کم ہوتی ہے، اس وجہ سے یہ وزن کم کرنے میں بھی مفید ثابت ہوتی ہیں۔ دل کی صحت کے حوالے سے بھی سبزیوں کے بڑے فوائد ہیں، یہ دل کو تقویت بخش کر اسٹروک اور ہارٹ سے محفوظ رکھتی ہیں۔ بیماری کے دوران سبزیوں کے استعمال کی خاص طور پر تاکید کی جاتی ہے۔ اچھی صحت کے لیے تازہ سبزیوں کی افادیت مسلمہ ہے۔ یوں تو سبزیاں پکانے کے کئی طریقے ہیں جیسے کہ بھوننا، بھاپ سے پکانا (اسٹیمنگ)، بیک کرنا، گرل کرنا وغیرہ۔ پکانے کے ان تمام طریقوں میں مسالوں کا انتخاب اور مناسب مقدار سبزیوں کو ذائقہ دار بناتا ہے۔ ہمارے یہاں سبزیوں کو بھون کر یا سالن میں پکا کر کھانا زیادہ مقبول ہے۔ تاہم، اگر کسی سبزی کو زیادہ دیر تک پکایا جائے تو اس میں موجود حل پذیر وٹامنز (بی اور سی) کی مقدار خاصی کم ہو جاتی ہے جبکہ تیل کا بے جا استعمال بھی کیلوریز اور فیٹس میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ زیادہ پکانے کے باوجود بھی سبزیاں صحت کیلئے انتہائی مفید ہوتی ہیں۔ مگر کوشش کریں کہ سبزیوں کو زیادہ نہ پکائیں۔ سبزیوں کے بیش بہا فوائد کے باوجود لوگ ذائقے کی وجہ سے انہیں کھانے سے گریز کرتے ہیں۔ تاہم، بہت سے ایسے طریقے موجود ہیں جس سے آپ سبزیوں کو اپنے ذائقے کے مطابق بنا سکتے ہیں۔

پالک پنیر

پالک میں فائبر، فولاد اور نمکیات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس سے جگر کو تقویت ملتی ہے۔ یہ خون کو صاف اور خون کی شریانوں کی سختی دور کرتی ہے۔ بلڈ پریشر کم کرنے میں بھی معاون ہوتی ہے۔ پالک میں کسی بھی دوسری ہری سبزی کے مقابلے میں زیادہ غذائی اجزاء پائے جاتے ہیں۔ پکی ہوئی ایک کپ پالک 41 کیلوری پر مشتمل ہوتی ہے جبکہ اس میں وٹامن 'اے' اور 'بی' کی غیر معمولی مقدار بھی ہوتی ہے۔ پالک آئرن جیسے ضروری معدنی عنصر کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

بگھارے بینگن

بینگن ایک ایسی سبزی ہے جس میں کیلوریز کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ اس میں فائبر، وٹامنز اور معدنیات کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ بینگن دیگر غذائی اجزاء اور اینٹی آکسیڈنٹ خصوصیات سے بھی مالا مال ہوتا ہے۔ اس میں بہت سی بیماریوں سے لڑنے کی خصوصیات موجود ہیں۔ یہ کینسر جیسے جان لیوا مرض سے بچاؤ کے ساتھ ساتھ دیگر بیماریوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ بینگن کا رائتہ اور پکوڑے بھی بہت مزیدار بنتے ہیں۔

سرسوں کا ساگ

سرسوں کا ساگ قدرتی اجزاء سے مالا مال ہے۔ چکنائی اس کا سب سے بڑا جزو ہے، اس میں پروٹین، فولاد، کیلشیم، وٹامن اے، بی اور سی بھی ہوتے ہیں۔ اسے کھانے سے بدن میں طاقت آتی ہے جبکہ چھوٹے بچوں کا قد اور وزن بڑھتا ہے۔ اس سے صاف خون پیدا ہوتا ہے۔
یہ معدہ، جگر اور آنتوں کو طاقتور بناتا ہے۔ ساتھ ہی پیٹ کے کیڑے بھی مارتا ہے۔ سوجن اور ورم کو تحلیل کرتا ہے۔ جلدی امراض میں مفید ہے۔ اس کی غذائیت گوشت کے برابر ہوتی ہے۔ سرسوں کا ساگ، مکئی کی روٹی اور اس کے اوپر مکھن کا تصور آتے ہی منہ میں پانی آ جاتا ہے۔

قیمہ بھرے کریلے

کریلے کے بے شمار طبی فوائد ہیں۔ غذائیت کے لحاظ سے کریلوں میں وٹامن اے، ڈی، سی اور بی 6 کے علاوہ پروٹین اور پوٹاشیم کی بھی مقدار پائی جاتی ہے۔ اس میں کیلوریز اور کولیسٹرول کی مقدار صفر ہوتی ہے۔ کریلوں کو کئی طریقوں سے استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی پکا کر، جوس نکال کر یا پھر سوپ اور سلاد میں شامل کر کے۔ کریلے کھانے سے شوگر کی مقدار کم ہوتی ہے، پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں اور جگر کے افعال درست ہوتے ہیں۔ کریلا اگرچہ کھانے میں تھوڑا سا کڑوا ہوتا ہے مگر قیمہ بھرے کریلے سب ہی کھانا پسند کرتے ہیں۔

ترکیب: کریلے چھیل کے درمیان سے چیرا لگا کر بیج نکال لیں۔ انہیں بغیر دھوئے نمک، ہلدی اور گڑ لگا کر رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے بعد پانی سے دھو کر چھلنی میں نچڑنے کے لیے رکھ دیں۔ اب پتیلی میں تھوڑا سا تیل ڈال کر گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر فرائی کریں۔ جب پیاز ہلکی گلابی ہو جائے تو نکال لیں۔ پھر قیمہ، ادرک، لہسن، کلونجی، نمک، ہلدی، سونف اور مرچ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو فرائی کی ہوئی پیاز اور ہری مرچ ڈال کر ڈھکن سے ڈھک کر 5 منٹ کے لیے دَم پر رکھ دیں۔ پھر چولہا بند کریں اور ٹھنڈا ہونے دیں۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو اسے کریلوں میں بھر کر انہیں اچھی طرح بند کر کے دھاگا باندھ دیں۔ اب ایک پین یا کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں اچھی طرح فرائی کر لیں۔ جب وہ گولڈن ہو جائیں تو نکال لیں اور قیمہ والی پتیلی میں رکھ دیں۔ پھر املی کا رس اور تھوڑا سا گڑ ڈال کر 10 منٹ کے لیے دَم پر رکھ دیں۔ تیل اوپر آنے پر قیمہ بھرے کریلے تیار ہو جائیں گے۔ اسی طرح دوسری ہری سبزیاں پرول، نینوا کے استعمال سے صحت و توانائی بہتر ہوتی ہے اس لئے سبزیوں کا استعمال ضرور کریں۔

Volume:62/72,Issue:39R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqeeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

جبرئیل کا مطلوب جو کچھ بعد خدا ہے
ذکر نبی، فکر نبی عشق نبی ہے
(ابوالخیر جبرئیل)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND

NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF,PATNA 801505

SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

حضرت مولانا شاہ عثمان غنیؒ کی زندگی سے ہمیں حق گوئی اور بیبا کی کا سبق لینا چاہئے : حضرت امیر شریعت

امارت شرعیہ کے سابق ناظم و مفتی، با کمال صحافی حضرت مولانا سید محمد عثمان غنیؒ کی زندگی پر امارت شرعیہ کے زیر اہتمام سیمینار کاانعقاد

رپورٹ: سید محمد عادل فریدی

مورخہ 13 اکتوبر 2022 روز جمعرات کوامارت شرعیہ کے زیر اہتمام امارت شرعیہ کے پہلے ناظم وسابق مفتی امارت شرعیہ کے ترجمان ''جریدۂ امارت'' و ہفتہ وارنقیب کے مدیر، بے باک صحافی، باکمال مدبر، جرأت مند قائداور بابصیرت فقیہ حضرت مولانا سید شاہ محمد عثمان غنی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ایک باوقار سیمینار کانفرنس ہال المعہد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف میں منعقد ہوا۔ سیمینار کی صدارت امیر شریعت بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ وسجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب نے فرمائی۔ سیمینار میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ حضرت مولانا عثمان غنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے ہمیں جو سب سے بڑا سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کم عمری میں ہی بے پناہ محنت ومشقت کا مزاج اور مصائب وآلام کو برداشت کرنا اپنی فطرت بنالیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کم عمری میں مجاہد آزادی حضرت مولانا عبیداللہ سندھی سے مربوط ہو گئے اور ان کے ساتھ مل کر شبانہ روز کی محنت سے موتمر الانصار کو کامیاب بنایا۔ ان کی زندگی سے ہمیں حق وصداقت کی آواز بلند کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دینے کا جذبہ ملتا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ قوم وملت کا کوئی کام جس میں جان نہ لگا دی جائے اور جان کا خطرہ نہ ہو تو زندگی کا مزہ ہی نہیں آ سکتا، آج ہم سب کے اندر قوم وملت کے لیے کام کرنے کا وہ جذبہ ہونا چاہئے۔ آپ نے تمام لوگوں کو پیغام دیتے ہوئے کہا کہ آج کے سیمینار کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کی زندگی سے سبق لے کر اپنی زندگیوں میں تبدیلی لائیں اور حق وصداقت کے علمبردار بنیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہ سیمینار اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمیں اپنی تاریخ یاد رہے، اس لیے کہ جو قوم اپنی تاریخ وتہذیب سے کٹ جاتی ہے وہ فنا ہو جاتی ہے۔ آپ نے تمام مہمانان اور مقالہ نگاروں کا اتنے کامیاب سیمینار کے انعقاد پر شکریہ ادا کیا۔ نائب امیر شریعت بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب نے اظہار خیال کرتے ہوئے اور اپنے مقالہ بعنوان ''مولانا محمد عثمان غنی میدان صحافت کا مرد مجاہد'' کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مولانا کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے قوم ملت کا کام کیا، کاموں میں لگے رہے اور زندگی بھر کام کرتے رہے، انہوں نے اپنی زندگی کو حق کی سچی ترجمانی، ملت کی سچی رہبری، اور جرأت وبیبا کی اور حق گوئی کے ساتھ سیاسی، سماجی اور مذہبی رہنمائی میں لگا دیا۔ ان کی زندگی اس طرح گزری کہ ان کی راتیں اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہو کر گزرتیں، آہ سحر گاہی اور دعائے نیم شبی سے وہ اپنی محنتوں میں توانائی لاتے تھے، آج ہم سب کو بھی شریعت کے مزاج کو سمجھ کر اس پر مستقل اپنے آپ کو پابند عہد رکھنا چاہئے۔ اس سے قبل جناب مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب قائم مقام ناظم صاحب نے اپنے استقبالیہ کلمات میں تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور اپنے مقالہ بعنوان ''مولانا محمد عثمان غنی خفیف پیکر کا عظیم انسان'' کی تلخیص پیش کرتے ہوئے حضرت مولانا عثمان غنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے انتظامی، ادبی اور فقہی سمیت مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی، انہوں نے ان کے دور نظامت میں کیے گئے اہم کاموں کا بھی مختصر تذکرہ کیا اور کہا کہ اس عظیم شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے۔

سیمینار کے کنوینز اور نائب ناظم جناب مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نے سیمینار کے اغراض ومقاصد اور اس کے انعقاد کے پس منظر کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس سیمینار کا فیصلہ امیر شریعت سابع حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ نے کیا تھا، اور مقالہ نگاروں کو خطوط بھی بھیجے گئے تھے، مگر کورونا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے یہ اس وقت نہیں ہو سکا، بالآخر حضرت امیر شریعت ثامن مدظلہ کے حکم سے آج اس سیمینار کا انعقاد ہو رہا ہے۔ انہوں نے حضرت مولانا عثمان غنی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے وفات تک کی حالات زندگی بھی مختصر طور پر پیش کیا۔ حضرت مولانا تقی الدین ندوی فردوسی، جناب مولانا ڈاکٹر عتیق الرحمٰن، جناب ڈاکٹر توقیر احمد، جناب ڈاکٹر عطا عابدی، جناب مولانا سید مظاہر عالم جناب دانش ریاض ممبئی نے بھی اظہار خیال کیا اور حضرت مولانا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھا۔

سیمینار کا آغاز مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی مینیجر نقیب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، نعت شریف مولانا احمد حسین قاسمی معاون ناظم نے پیش کیا، جبکہ مولانا مکرم حسین ندوی صاحب و جناب فرحت حسین صاحب خوش دل ہزاری باغ نے مولانا عثمان غنیؒ کی خدمت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ اس سیمینار میں چالیس سے زیادہ مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات پیش کیے۔ جن میں خاص طور پر جناب مولانا محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ (مولانا عثمان غنیؒ ایک ہمہ گیر شخصیت)، مولانا مفتی سہیل احمد قاسمی صدر مفتی امارت شرعیہ (مولانا سید محمد عثمان غنیؒ کی فقہی بصیرت)، مولانا مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی مفتی امارت شرعیہ (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: اپنے فتاویٰ کی روشنی میں) جناب ڈاکٹر ریحان غنی نبیرۂ حضرت مولانا سید محمد عثمان غنی (دادا ابا کو میں نے کیسا دیکھا)، جناب صفدر امام قادری صدر اردو کامرس کالج پٹنہ (مولانا محمد عثمان غنی کا دانشورانہ شعور)، مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ (مولانا محمد عثمان غنیؒ کی صحافت وجریدۂ امارت)، مولانا اختر امام عادل قاسمی صاحب بانی ومہتمم جامعہ ربانی منورواشریف (مولانا محمد عثمان غنیؒ: امتیازات وخصوصیات)، مولانا ڈاکٹر اعجاز احمد صاحب سابق چیئر مین بہار اسٹیٹ مدرسہ بورڈ (مولانا مفتی عثمان غنیؒ کی دینی، ملی اور سماجی خدمات) جناب ڈاکٹر عارف حسن وسطوی (مولانا محمد عثمان غنیؒ کا اسلوب نگارش)، جناب مولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم امارت شرعیہ (مولانا محمد عثمان غنیؒ: مضبوط قوت ادراک کے ہمہ گیر عالم دین)، مولانا مفتی محمد سہراب ندوی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ (مولانا محمد عثمان غنیؒ: ایک شخصیت ایک تحریک)، مولانا مفتی وصی احمد قاسمی نائب قاضی شریعت امارت شرعیہ (مولانا محمد عثمان غنیؒ زندگی کے چند قابل رشک پہلو)، جناب مولانا رضوان احمد ندوی نائب مدیر ہفتہ وارنقیب (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ کے اداریے)، مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ (مولانا محمد عثمان غنیؒ کی اہم تصنیف بشریٰ)، جناب مولانا عبدالباسط ندوی سکریٹری المعہد العالی (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: حیات وخدمات)، مولانا نور الحق رحمانی استاذ المعہد العالی، مولانا خالد حسین نیموی (مولانا سید محمد عثمان غنیؒ اور جمیعۃ علماء ہند)، مولانا سہیل اختر قاسمی نائب قاضی شریعت امارت شرعیہ (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ کی سیاسی بصیرت) مولانا بدر احمد مجیبی استاذ المعہد العالی وصدر جمیعۃ علماء بہار (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ اور خانقاہ مجیبیہ)، مولانا احمد حسین قاسمی مدنی صاحب معاون ناظم امارت شرعیہ (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ جنگ آزادی ہند کا عظیم مرد مجاہد)، جناب انوار الحسن وسطوی (بہار کی اردو تحریک میں مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ کا حصہ)، مولانا مفتی امتیاز احمد قاسمی معاون قاضی امارت شرعیہ (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ ایک عہد ساز شخصیت)، مولانا شمیم اکرم رحمانی معاون قاضی امارت شرعیہ (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: ایک ہمہ جہت شخصیت)، مولانا قاضی ارشد علی رحمانی قاضی شریعت دار القضا دربھنگہ (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: ایک شخص، ایک انجمن)، جناب مولانا محمد جاوید اختر قاسمی جامعہ ربانی منورواشریف (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: بحیثیت سماجی خدمت گار)، جناب حافظ امتیاز احمد رحمانی جامعہ رحمانی مونگیر (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: بوئے گل در برگ گل)، جناب فضل رحماں رحمانی شعبہ صحافت جامعہ رحمانی مونگیر (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: بے باک صحافی)، جناب مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: ایک عہد ساز شخصیت)، مولانا محمد نظر الہدیٰ قاسمی (اصلاح معاشرہ کے لیے مولانا محمد عثمان غنیؒ کی جدوجہد)، مولانا محمد منہاج عالم ندوی (مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ: ایک ہمہ جہت شخصیت)، مولانا نصیر الدین مظاہری (امارت شرعیہ کے ناظم اول؛ مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ)، مولانا سید محمد عادل فریدی (قید فرنگ میں صحافت کی آبرو رکھنے والا قلم کا دھنی؛ مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ) کے نام اہم ہیں۔

سیمینار میں مقالہ نگاروں کے علاوہ جناب ارشاد اللہ صاحب چیئر مین بہار اسٹیٹ وقف بورڈ، جناب ڈاکٹر اسلم جاوداں، جناب مولانا ڈاکٹر شکیل احمد قاسمی اورینٹل کالج پٹنہ، جناب مولانا قمر انیس قاسمی معاون ناظم امارت شرعیہ، مولانا محمد ابوالکلام شمسی معاون ناظم امارت شرعیہ، جناب سمیع الحق صاحب نائب انچارج بیت المال، جناب ایڈووکیٹ عمران غنی، جناب ڈاکٹر فیضان غنی، جناب سلمان غنی، شاہ فیض الرحمٰن، جناب مولانا عبدالواحد رحمانی ایڈیٹر انقلاب پٹنہ، جناب نواب عتیق الزماں، جناب ساجد پرویز صاحب، جناب ماسٹر عظیم الدین انصاری، جناب احسان الحق صاحب رکن شوریٰ، جناب ڈاکٹر جمشید قمر رانچی، جناب ایڈووکیٹ ذاکر بلیغ صاحب رکن شوریٰ، جناب شکیل سہسرامی، جناب ڈاکٹر انوار الہدیٰ سکریٹری مسلم مجلس مشاورت بہار، جناب شوکت جعفری پرنسپل ایم ایم رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، جناب ڈاکٹر یاسر حبیب، جناب ڈاکٹر تقی امام، مولانا اسلم رحمانی مدرسہ شمس الہدیٰ، شہزاد رشید پرنسپل الحرا پبلک اسکول پھلواری شریف، ماسٹر علی انور پھلواری شریف، جناب عارف اقبال ای ٹی وی بھارت، جناب سہیل سجاد قاسمی انچارج امارت پبلک اسکول رانچی، مولانا قاری مجیب الرحمٰن کے علاوہ معززین شہر کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ آخر میں حضرت امیر شریعت کی دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔